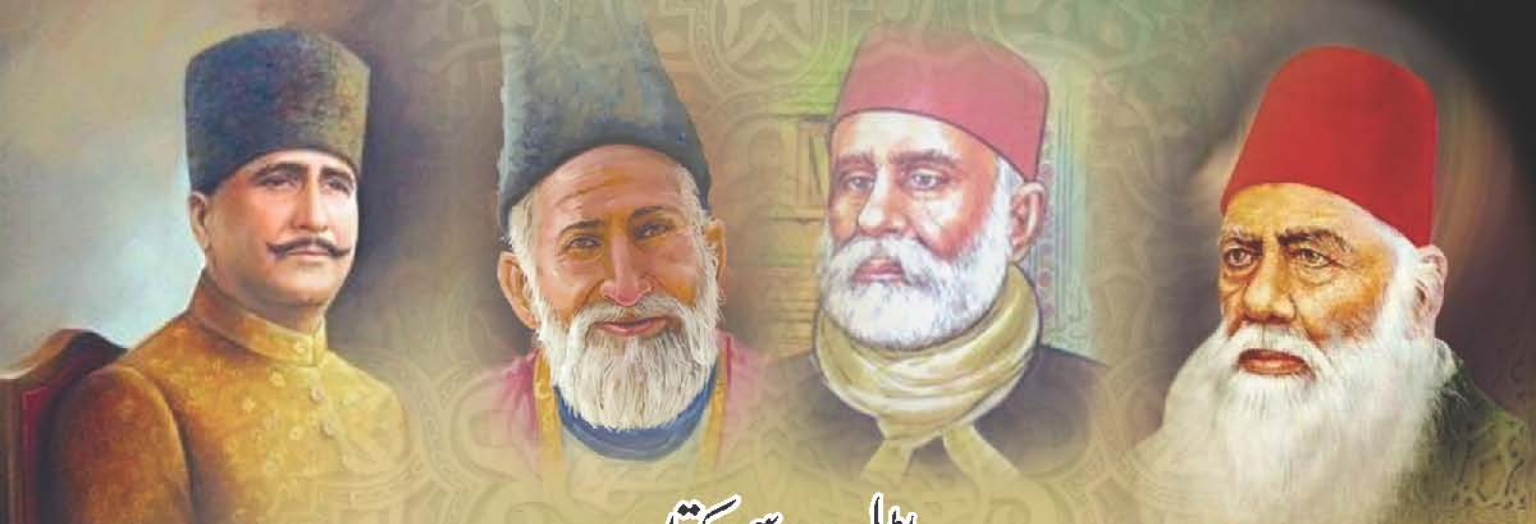

ماڈل درسی کتاب

اُردو

گیارھویں جماعت کے لیے

National Book Foundation

نیشنل بُک فاؤنڈیشن
بطور
وفاقی ٹیکسٹ بُک بورڈ، اسلام آباد

National Book Foundation

قومی نصاب ۲۳۔۲۰۲۲ء کے مطابق

ماڈل درسی کتاب

اُردو

گیارھویں جماعت کے لیے

قومی نصاب کونسل

وفاقی وزارتِ تعلیم و پیشہ وارانہ تربیت حکومتِ پاکستان

National Book Foundation

نیشنل بُک فاؤنڈیشن

بطور

وفاقی ٹیکسٹ بُک بورڈ، اسلام آباد

© 2024ء نیشنل بُک فاؤنڈیشن بطور وفاقی ٹیکسٹ بُک بورڈ، اسلام آباد
جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ یہ کتاب یا اس کا کوئی بھی حصہ کسی بھی شکل میں
نیشنل بُک فاؤنڈیشن کی باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر شائع نہیں کیا جاسکتا۔

ماڈل درسی کتاب : **اُردو**
گیارھویں جماعت کے لیے

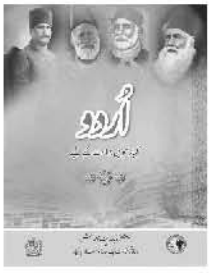

مؤلفین
پروفیسر امجد اقبال، ڈاکٹر خالد اقبال یاسر، سید تجمل حسین شاہ، پروفیسر گُل ناز، ڈاکٹر شازیہ صدف، محمد شاہین بلوچ

زیرِ نگرانی
ڈاکٹر مریم چغتائی
ڈائریکٹر، قومی نصاب کونسل
وفاقی وزارت تعلیم و پیشہ دارانہ تربیت، حکومتِ پاکستان

آئی آر سی ممبران
ڈاکٹر فردوس کوثر، بحریہ کالج اسلام آباد، حاکم خان، بحریہ کالج اسلام آباد، ڈاکٹر حمیرا صادق قریشی، وفاقی تعلیمی ادارہ جات (کینٹ / گیریژن) راولپنڈی، آصفہ ذاکر، وفاقی تعلیمی ادارہ جات (کینٹ / گیریژن) راولپنڈی، رضوانہ ناہید، وفاقی تعلیمی ادارہ جات (کینٹ / گیریژن) راولپنڈی، شاکرہ تسنیم، فیڈرل ڈائریکٹوریٹ آف ایجوکیشن اسلام آباد، کنیز فاطمہ بنگش، فیڈرل ڈائریکٹوریٹ آف ایجوکیشن اسلام آباد، نسرین الماس، فضائیہ سکولز اینڈ کالجز اسلام آباد، نمیزہ مختار، آرمی پبلک سکولز اینڈ کالجز راولپنڈی، مریم جمیلہ، آرمی پبلک سکولز اینڈ کالجز راولپنڈی

آئی پی سی ڈبلیو۔1۔ ممبران
ڈاکٹر فردوس کوثر، بحریہ کالج اسلام آباد، ڈاکٹر محمد سہیل سرور، پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، حکومت پنجاب، لاہور، زاہدہ بنگش
ڈائریکٹریٹ آف کریکولم، اسسمنٹ اینڈ ریسرچ، حکومت سندھ جامشورو، محمد زکریا، محکمہ تعلیم، گلگت بلتستان، صابر خان پانیزئی، ادارہ نصابیات و توسیعی تعلیم حکومت بلوچستان، کوئٹہ، فائزہ علی شاہ، بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ، کوئٹہ، تاج ولی خان، نظامت نصابیات و تربیت اساتذہ حکومت خیبر پختونخوا، ایبٹ آباد، راجہ محمد عارف خان، محکمہ تعلیم آزاد جموں و کشمیر، مظفر آباد

ڈیسک آفیسر
سہیل بن عزیز

TEST EDITION

انتظامیہ
نیشنل بُک فاؤنڈیشن

اشاعت اول۔ طباعت اول: مارچ 2024 | **صفحات**: 136 | **تعداد**: 44000

قیمت: -/220 روپے
کوڈ: STU-498، آئی ایس بی این: 978-969-37-1602-3
طابع: ایلفا سکائی پرنٹرز، راولپنڈی

نیشنل بُک فاؤنڈیشن کی دیگر مطبوعات کے بارے میں معلومات کے لیے رابطہ کیجیے، ویب سائٹ: www.nbf.org.pk یا فون: 051-9261125
یا ای میل: books@nbf.org.pk، اور اس درسی کتاب کے بارے میں اپنی رائے دینے کے لیے ہمیں ای میل کیجیے: nbftextbooks@gmail.com

پیش لفظ

اُردو برائے جماعت گیارھویں قومی نصاب ۲۰۲۲۔۲۳ء کے مطابق تیار کی گئی ہے۔

جماعت کی سطح کے بعد زبان و بیان میں قدرے رفعت اور طرزِ بیان میں ادبیت کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نظم و نثر اور زبان کے دیگر اصول و اسالیب کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا جاتا ہے۔ مشقی سلسلے میں بھی نصابی حاصلات کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، چنانچہ گیارھویں جماعت کی درسی کتاب کی تیاری کے دوران ان پہلوؤں کو مدّ نظر رکھا گیا ہے۔ اس میں پاکستانی اُردو کے جدید تقاضوں کی طرف بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ جنھیں اگلی جماعتوں میں بہت حد تک پورا کیا جائے گا۔ خاص طور پر نثر کی مختلف اصناف، صحافتی اُردو، دفتری اُردو، عدالتی اُردو، سائنسی اور تکنیکی اُردو، کمپیوٹر اور موبائل فون کی زبان کے بہت سے ایسے پہلو ہیں، جن سے طلبہ کو روشناس کرانے کی ضرورت ہے۔ یاد رہے کہ ہمیں زبان کا استعمال سکھانا ہے۔ اساتذہ کو زیادہ زور اسی پہلو پر دینا ہوگا۔ خاص طور پر کمپیوٹر ٹیکنالوجی، موبائل فون اور ویب سائٹس کے حوالے سے اُردو کو جو حیثیت حاصل ہے، اسے تدریس کا حصّہ بنانا ہوگا۔ یہ ذمہ داری اُردو کے اساتذہ پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے روزمرہ اسباق میں کس طرح سے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ لائبریری سے طلبہ کے ربط و ضبط اور شوق کی ترویج کے لیے کہیں کہیں اضافی معلومات اور سرگرمیاں دی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں بھی اساتذہ کی رہنمائی درکار ہوگی۔ اسباق، منظومات اور غزلیات کے آخر میں طلبا و طالبات کی رہنمائی کے لیے اضافی معلومات کی غرض سے مصنفین اور شعرا کا مختصر تعارف بھی دے دیا گیا ہے۔ معیار کی رفعت، تدریسی حاصلات، ذہنی رسائی اور اُسلوب کی پیروی ہمارا نصب العین ہے۔ نیشنل بُک فاؤنڈیشن نے موثر تدریسی مراحل کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اور خصوصی کاوشیں بروئے کار لاتے ہوئے مواد اور مثالوں سے اس درسی کتاب کو شائع کیا ہے۔ مزید یہ کہ اساتذہ کی رہ نمائی کے لیے ہر سبق کے آغاز میں حاصلاتِ تعلم بھی دے دیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں تمام رفقا کی مساعی لائقِ تحسین ہیں۔

حتیٰ الامکان کوشش کی ہے کہ کتاب غلطیوں سے پاک ہو۔ حکومتِ پاکستان کی ہدایات کے مطابق کتابوں میں اس بات کو بھی یقینی بنایا گیا ہے کہ مختلف حوالوں سے وزارتِ مذہبی امور کی جانب سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے حوالے سے جو نوٹیفکیشن جاری ہوتے رہے ہیں ان پر بھی مکمل طور پر عمل کیا جائے۔ ان کی روشنی میں درستی کر دی گئی ہے۔ چوں کہ یہ کتاب قومی نصاب 2022ء کی روشنی میں ٹیسٹ ایڈیشن کے طور پر شائع کی جا رہی ہے اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ اگر اس کتاب میں کسی قسم کی لسانی اور علمی نوعیت کی غلطیاں ملیں تو ہمیں ان سے آگاہ فرمائیں اور مزید بہتری کے لیے اپنی تجاویز پیش کریں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان کی درستی کی جاسکے۔ اس کے لیے ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ڈاکٹر راجہ مظہر حمید

مینجنگ ڈائریکٹر

National Book Foundation

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

فہرست اسباق

نمبر شمار	عنوان		صفحہ نمبر
	حصّہ نثر		
۱۔	اخلاقِ حسنہ (سیرت نگاری)	شبلی نعمانی	05
۲۔	نیا قانون (افسانہ)	سعادت حسن منٹو	11
۳۔	تاریخ کا کفن (سندھی ادب سے ترجمہ (افسانہ)	امر جلیل	21
۴۔	دلہیز (ڈراما)	امجد اسلام امجدؔ	31
۵۔	اور پاکستان بن گیا (ناول)	خدیجہ مستور	42
۶۔	ایک استاد عدالت کے کٹہرے میں (آپ بیتی)	اشفاق احمد	50
۷۔	(مکاتیب بنام) علاؤالدین علائی/ہرگوپال تفتہ	مرزا غالبؔ	56
۸۔	فاقہ میں روزہ (مضمون)	خواجہ حسن نظامی	61
۹۔	پاکستانی زبانیں اور ان کا باہمی رشتہ (مضمون)	محمد رشید/ممتاز منگلوری	69
۱۰۔	چارپائی (طنز و مزاح)	رشید احمد صدیقی	74
	حصّہ نظم		
۱۔	حمد	حفیظ تائبؔ	80
۲۔	نعت	سید نفیس شاہؔ	84
۳۔	ملی نغمہ	احمد ندیم قاسمیؔ	88
۴۔	اے وادیٔ لولاب (نظم)	علامہ اقبالؔ	92
۵۔	کھڑا ڈنر (طنز و مزاح)	سید محمد جعفری	96
۶۔	آزادی (نظم)	احسان دانشؔ	101
۷۔	رحمان بابا (پشتو کلام)۔ انتخاب و تعارف: پروفیسر امجد اقبال	ترجمہ: پروفیسر طٰہٰ خانؔ	105
	حصّہ غزل		
۱۔	پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے	میر تقی میرؔ	110
۲۔	سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنا بھی نہیں	فراقؔ گورکھ پوری	114
۳۔	بے چین بہت پھرنا، گھبرائے ہوئے رہنا	منیرؔ نیازی	119
۴۔	سلسلے توڑ گیا وہ سبھی جاتے جاتے	احمد فرازؔ	124
۵۔	بادباں کھلنے سے پہلے کا اشارہ دیکھنا	پروین شاکرؔ	127
	فرہنگ		130

National Book Foundation

1

مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء۔۱۹۱۴ء)

اخلاقِ حسنہ

اس سبق کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- پڑھے گئے متن کے کسی حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہارِ رائے کرتے ہوئے متعلقہ حصے پر جزئیات کے ساتھ تبصرہ پیش کر سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر مصنف/شاعر اور قاری کے نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کر سکیں۔
- بات کو درمیان سے سن کر سیاق و سباق کے ساتھ بیان کرنے پر قادر ہو سکیں۔
- ذرائع ابلاغ سے خبروں، ڈراموں اور فیچروں وغیرہ میں اٹھائے گئے اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی نکات سن کر استحسانی اور تنقیدی گفت گو کر سکیں۔
- متضاد الفاظ کی جوڑیاں شناخت کر کے تحریر میں استعمال کر سکیں۔
- مختلف عبارتیں پڑھ کر ان میں درج معلومات اور تصورات کی پیش کش پر تبصرہ کرتے ہوئے قارئین پر ان کے اثرات کا تجزیہ کریں۔

پڑھیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہا وغیرہ جو مدتوں آپ ﷺ کی خدمت میں رہے تھے۔ ان سب کا متفقاً بیان ہے کہ آپ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور نکو سیرت تھے۔ آپ ﷺ کا چہرہ ہنستا تھا، وقار و متانت سے گفتگو فرماتے تھے کسی کی خاطر شکنی نہیں کرتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام و مصافحہ فرماتے۔ کوئی شخص جُھک کر آپ ﷺ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رُخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منھ نہ ہٹا لے۔ مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑے اُس کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو آپ ﷺ کے زانو کبھی ہم نشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے تھے۔

اکثر نوکر، چاکر، لونڈی، غلام خدمتِ اقدس میں پانی لے کر آتے کہ آپ ﷺ اس میں ہاتھ ڈالیں تاکہ متبرک ہو جائے۔ جاڑوں کا دن اور صبح کا وقت ہوتا، تاہم آپ ﷺ کبھی انکار نہ فرماتے۔

ایک دفعہ نجاشی کے ہاں سے ایک سفارت آئی۔ آپ ﷺ نے اُس کو اپنے ہاں مہمان رکھا اور خود بہ نفسِ نفیس مہمان داری کے تمام کام انجام دیے۔ صحابہ رضی اللہ عنھم نے عرض کی کہ ہم یہ خدمت انجام دیں گے۔ ارشاد ہوا کہ ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت گزاری کی ہے اس لیے میں خود اُن کی خدمت گزاری کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے جو اصحابِ بدر میں تھے۔ اُن کی بینائی میں فرق آ گیا تھا۔ آں حضرت ﷺ کی خدمت میں

National Book Foundation

آکر درخواست کی کہ میں اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھاتا ہوں لیکن جب بارش ہو جاتی ہے تو مسجد تک جانا مشکل ہو جاتا ہے اس لیے اگر آپ ﷺ میرے گھر میں تشریف لا کر نماز پڑھ لیتے تو میں اسی جگہ کو سجدہ گاہ بنا لیتا۔ دوسرے دن صبح کے وقت آپ ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر اُن کے گھر گئے اور دروازہ پر ٹھہر کر اذن مانگا، اندر سے جواب آیا تو گھر میں تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کہاں نماز پڑھوں؟ جگہ بتادی گئی۔ آپ ﷺ نے تکبیر کہہ کر دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز کے بعد لوگوں نے کھانے کے لیے اصرار کیا۔ محلے کے تمام لوگ کھانے میں شریک ہوئے۔

ابتدائے ہجرت میں خود آنحضرت ﷺ اور تمام مہاجرین انصار کے گھر میں مہمان رہے تھے دس دس آدمیوں کی ایک ایک جماعت ایک ایک گھر میں مہمان اتار دی گئی تھی۔ مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اُس جماعت میں تھا جس میں خود آں حضرت ﷺ شامل تھے۔ گھر میں چند بکریاں تھیں جن کے دودھ پر گزارا تھا۔ دودھ دوہ چکتا تو سب لوگ اپنے اپنے حصے کا، پی لیتے اور آپ ﷺ کے لیے پیالے میں چھوڑ دیتے۔ ایک شب کا واقعہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کی تشریف آوری میں تاخیر ہوئی لوگ دودھ پی کر سو رہے۔ آپ ﷺ نے آکر دیکھا تو پیالہ خالی پایا۔ خاموش ہو رہے پھر فرمایا "خدایا جو آج کھلا دے اُس کو تُو بھی کھلا دینا۔" حضرت مقداد رضی اللہ عنہ چھری لے کر کھڑے ہوئے کہ بکری ذبح کر کے گوشت پکائیں۔ آپ ﷺ نے روکا اور بکری دوبارہ دوہ کر جو کچھ نکلا اُسی کو پی کر سو رہے اور کسی کو اس فعل پر ملامت نہ کی۔

ابو شعیب رضی اللہ عنہ ایک انصاری تھے۔ اُن کا غلام بازار میں گوشت کی دکان رکھتا تھا۔ ایک دن وہ خدمتِ اقدس میں آئے۔ آپ ﷺ صحابہ کے حلقہ میں تشریف فرما تھے اور چہرے سے بھوک کا اثر پیدا تھا۔ ابو شعیب رضی اللہ عنہ نے جا کر غلام سے کہا کہ پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کرو۔ کھانا تیار ہو چکا تو آں حضرت ﷺ سے درخواست کی کہ صحابہ رضی اللہ عنھم کے ساتھ قدم رنجہ فرمائیں۔ کل پانچ آدمی تھے۔ راہ میں ایک اور شخص ساتھ ہو لیا۔ آں حضرت ﷺ نے ابو شعیب رضی اللہ عنہ سے کہا یہ شخص بے کہے ساتھ ہو لیا ہے تم اجازت دو تو یہ بھی ساتھ آئے۔ ورنہ رخصت کر دیا جائے۔ اُنھوں نے کہا آپ ﷺ اُن کو بھی ساتھ لائیں۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ ایک دفعہ آں حضرت ﷺ پہاڑ کے درے میں اونٹ پر سوار جا رہے تھے۔ یہ بھی ساتھ تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اُن سے کہا کہ "آؤ سوار ہو لو"۔ اُنھوں نے اس کو گستاخی سمجھا کہ رسول اللہ کو پیادہ بنا کر خود سوار ہوں۔ آں حضرت ﷺ نے دوبارہ کہا۔ اب انکار کرنا امتثالِ امر کے خلاف تھا۔ آں حضرت اتر پڑے اور یہ سوار ہو لیے۔

غزوۂ حنین سے واپس آ رہے تھے کہ راہ میں نماز کا وقت آ گیا۔ حسبِ دستور ٹھہر گئے، مؤذن نے اذان دی۔ ابو محذورہ جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے چند دوستوں کے ساتھ گشت لگا رہے تھے۔ اذان سُن کر سب نے چلا چلا کر استہزا کے طور پر اذان کی نقل اُتارنی شروع کی۔ آں حضرت ﷺ نے سب کو بلوا کر ایک ایک سے اذان کہلوائی۔ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ خوش لحن تھے۔ اُن کی آواز پسند آئی۔ سامنے بٹھا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کے لیے دعا کی پھر ان کو اذان سکھلا کر ارشاد فرمایا کہ جاؤ اسی طرح حرم میں اذان دیا کرنا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بچپن میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا اور ڈھیلوں سے مار کر کھجوریں گراتا۔ لوگ مجھ کو خدمت اقدس میں لے گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا ڈھیلے کیوں چلاتے ہو، میں نے کہا کھجوروں کے لیے۔ ارشاد فرمایا کہ زمین پر ٹپکی ہوئی کھجوریں کھا لیا کرو۔ ڈھیلے نہ مارو یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔

National Book Foundation

عباد بن شرجیل مدینہ میں ایک صاحب تھے۔ایک دفعہ قحط پڑااور بھوک کی حالت میں ایک باغ میں گھس گئے اور خوشے توڑ کر کچھ کھائے کچھ دامن میں رکھ لیے۔ باغ کے مالک کو معلوم ہوا تو اُس نے آکر اُن کو مارا اور کپڑے اتروا لیے۔ یہ آں حضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر آئے۔ مدعا علیہ بھی ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ جاہل تھا اس کو تعلیم دینی تھی۔ یہ بھوکا تھا اُس کو کھانا کھلانا تھا۔ یہ کہہ کر کپڑے واپس دلوائے اور ساٹھ صاع غلہ اپنے پاس سے عنایت فرمایا۔

کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اُس کے سامنے اُس کا تذکرہ نہ فرماتے۔ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں سے کہا کہ اُن سے کہہ دینا کہ یہ رنگ دھوڈالیں۔

ایک دفعہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا آنے دو۔ وہ اپنے قبیلے کا اچھا آدمی نہیں ہے لیکن جب وہ خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو نہایت نرمی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کو اس پر تعجب ہوا اور آپ ﷺ سے فرمایا خدا کے نزدیک سب سے بُرا وہ شخص ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جُلنا چھوڑ دیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی رہتا تھا جس سے میں قرض لیا کرتا تھا۔ایک سال اتفاق سے کھجوریں نہیں پھلیں اور قرضہ ادا نہ ہو سکا۔اس سے پورا سال گزر گیا۔ بہار آئی تو یہودی نے تقاضا شروع کیا۔اب کے بھی پھل کم آئے۔ میں نے آئندہ فصل کی مہلت مانگی اُس نے انکار کیا۔ میں نے آں حضرت ﷺ سے آکر تمام واقعات بیان کیے۔ آپ ﷺ چند صحابہ رضی اللہ عنھم کے ساتھ خود یہودی کے گھر تشریف لے گئے اور سمجھایا کہ مہلت دے دو۔ اُس نے کہا ابوالقاسم! میں کبھی مہلت نہ دوں گا۔ آپ ﷺ نخلستان میں تشریف لے گئے اور ایک چکر لگا کر پھر یہودی کے پاس آئے اور اُس سے گفتگو کی لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوا۔ بالآخر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ چبوترے پر (جو مسقف تھا) فرش بچھا دو۔ اس پر آرام فرمایا اور سو گئے اور سو کر اُٹھے تو پھر یہودی سے خواہش ظاہر کی کہ مہلت دے دے۔ اس شقی نے اب بھی نہ مانا۔ آپ ﷺ درختوں کے جُھنڈ میں جا کر کھڑے ہو گئے اور جابر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کھجوریں توڑنی شروع کرو۔ آں حضرت ﷺ کی برکت سے اتنی کھجوریں نکلیں کہ یہودی کا قرض ادا کر کے بچ رہیں۔

مجلسِ نبوی ﷺ میں جگہ بہت کم ہوتی تھی جو لوگ پہلے سے آکر بیٹھ جاتے تھے اُن کے بعد جگہ باقی نہیں رہتی تھی۔ ایسے موقعے پر اگر کوئی آجاتا تو اُس کے لیے آپ ﷺ خود اپنی ردائے مبارک بچھا دیتے تھے۔ ایک دفعہ آں حضرت ﷺ تشریف فرما تھے اور اپنے ہاتھوں سے لوگوں کو گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک عورت آئی اور آپ ﷺ کے پاس چلی گئی۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو اُس کی نہایت تعظیم کی اپنی چادر مبارک اس کے لیے بچھا دی۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون عورت تھی تو لوگوں نے کہا یہ حضور ﷺ کی رضاعی ماں تھیں۔

اسی طرح ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آں حضرت ﷺ تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ کے رضاعی والد آئے۔ آپ ﷺ نے اُن کے لیے چادر کا ایک گوشہ بچھا دیا۔ پھر رضاعی ماں آئیں۔ آپ ﷺ نے دوسرا گوشہ بچھا دیا۔ آخر میں رضاعی بھائی آئے تو آپ ﷺ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُن کو اپنے سامنے بٹھالیا۔

National Book Foundation

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ ایک دفعہ اُن کو بلا بھیجا تو وہ گھر میں نہیں ملے۔ تھوڑی دیر بعد حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ لیٹے ہوئے تھے ان کو دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سینے سے لگالیا۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی جب حبشہ سے واپس آئے تھے تو اُن کو گلے لگالیا اور اُن کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

سلام میں پیش دستی فرماتے راستہ میں جب چلتے تو مرد، عورتیں، بچے جو سامنے آتے اُن کو سلام کرتے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ راستہ سے گزر رہے تھے۔ ایک مقام پر مسلمان اور منافق و کافر یکجا بیٹھے ملے۔ آپ ﷺ نے سب کو سلام کیا۔

کسی کی کوئی بات بُری معلوم ہوتی تو مجلس میں نام لے کر اُس کا ذکر نہیں کرتے تھے، بلکہ صیغۂ تعمیم کے ساتھ فرماتے تھے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں۔ لوگ ایسا کہتے ہیں بعض لوگوں کی یہ عادت ہے۔ یہ طریقۂ ابہام اس لیے اختیار فرماتے تھے کہ شخصِ مخصوص کی ذلت نہ ہو اور اس کے احساسِ غیرت میں کمی نہ آجائے۔ **(سیرۃ النبی ﷺ، جلد اول)**

مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷۔۱۹۱۴ء)

اُردو کے ارکان خمسہ کا ایک اہم نام شبلی نعمانی کا ہے۔ وہ ایک پُروقار علمی شخصیت کے مالک تھے اور اپنے عہد میں ایک عالم دین شاعر، فلاسفر، مورخ، معلم، مقرر، مصلح، نقاد اور ماہر لسانیات کے طور پر جانے جاتے تھے۔ انھوں نے علی گڑھ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی تھی جس میں اُن کی شخصی خوبیوں کو خوب جلا بخشی۔ انھیں اردو کے علاوہ فارسی اور عربی زبانوں پر عبور حاصل تھا اور انگریزی بھی جانتے تھے۔ وہ بیک وقت علی گڑھ اور ندوہ کی دو علمی اصلاحی اور مذہبی تحریکوں کا حصہ تھے۔ وہ انگریزی زبان سیکھنے اور سائنسی علوم تک رسائی حاصل کرنے کے حامی تھے۔

شبلی نعمانی کے قلم سے نسبت سی سوانح عمریاں قلم بند ہوئیں۔ انھوں نے دارالمصنفین کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس میں اسلامی سوچ کے حامل مصنفین کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ ۱۸۸۳ء میں انھوں نے شبلی کالج کے نام سے ایک اور ادارہ بھی قائم کیا۔ شبلی ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج سیرت کے میدان میں ہمارے پاس مختلف لوگوں کی کتابیں رہ نمائی کے لیے موجود ہیں۔ شبلی اپنی زندگی میں تو سیرت کا کام صرف دو جلدوں تک ہی لکھ پائے تھے جسے بعد میں اُن کے ہونہار شاگرد سید سلمان ندوی نے مکمل کیا۔

آپ کی تصانیف میں سیرت النبی ﷺ کے علاوہ، سیرت النعمان، الفاروق (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر) المامون (عباسی خلیفہ مامون الرشید پر)، الغزالی (امام غزالی پر) امام ابن تیمیہ، اورنگ زیب عالم گیر لکھ کر سیرت و سوانح کو اُردو زبان میں متعارف کرایا۔ فارسی شاعری کی تاریخ پر شعر العجم، مذہبی حوالے سے مسلمانوں کی رہ نمائی کے لیے علم الکلام اور ایک سفر نامہ روم و مصر و شام لکھا جو اُن کے خلافت عثمانیہ کے دورے کے احوال ہے بھی لکھا۔ اُن کی تصانیف سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔

National Book Foundation

مشق

۱۔ اخلاق نبوی ﷺ سے اسلامی ثقافت و معاشرت کے کن کن پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ پانچ نکات مثالوں کے ساتھ تحریر کریں۔

۲۔ سبق کے پڑھے گئے درج ذیل حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہار کریں جب کہ آخر میں دی گئی جزئیات کو پیش نظر رکھ کر تبصرہ بھی کریں۔

عباد بن شرجیل مدینہ میں ایک صاحب تھے۔ ایک دفعہ قحط پڑا اور بھوک کی حالت میں ایک باغ میں گھس گئے اور خوشے توڑ کر کچھ کھائے کچھ دامن میں رکھ لیے۔ باغ کے مالک کو معلوم ہوا تو اس نے آکر اُن کو مارا اور کپڑے اتروا لیے۔ یہ آں حضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر آئے۔ مدعا علیہ بھی ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ جاہل تھا اس کو تعلیم دینی تھی۔ یہ بھوکا تھا اُس کو کھانا کھلانا تھا۔ یہ کہہ کر کپڑے واپس دلوائے اور ساٹھ صاع غلہ اپنے پاس سے عنایت فرمایا۔

کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اُس کے سامنے اُس کا تذکرہ نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں سے کہا کہ اُن سے کہہ دینا کہ یہ رنگ دھو ڈالیں۔

ایک دفعہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا آنے دو۔ وہ اپنے قبیلے کا اچھا آدمی نہیں ہے لیکن جب وہ خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو نہایت نرمی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس پر تعجب ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا خدا کے نزدیک سب سے بُرا وہ شخص ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔

(i) بھوکوں اور محتاجوں کو کھانا کھلانے کے تناظر میں حضور ﷺ کی تعلیمات سے حوالے دیجیے اور دلائل کے ساتھ اظہار کریں۔

(ii) محفل میں اگر کسی کی بات پسند نہ آئے تو ہمیں ردعمل میں کس قسم کا اظہار کرنا چاہیے؟ درج بالا عبارت کی روشنی میں تبصرہ کریں۔

۳۔ سبق 'اخلاق نبوی ﷺ' کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھیں۔

۴۔ سبق کو پڑھ کر مصنف اور قاری کے نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کریں۔

۵۔ درج ذیل عبارت سبق کے درمیان سے لی گئی ہے، ایک طالب علم اسے بلند آواز میں درست تلفظ کے ساتھ ادا کرے جب کہ باقی طلبہ اس کے مرکزی خیال تک رسائی حاصل کر کے اس کے سیاق (دی گئی عبارت کے بعد کا حصہ) اور سباق (دی گئی عبارت سے قبل کا حصہ) کے ساتھ اس کے اہم نکات کو باری باری بیان کریں۔

غزوہ حنین سے واپس آرہے تھے کہ راہ میں نماز کا وقت آگیا۔ حسب دستور ٹھہر گئے۔ موذن نے اذان دی۔ ابو محذورہ جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے چند دوستوں کے ساتھ گشت لگا رہے تھے۔ اذان سن کر سب نے چلا چلا کر استہزا کے طور پر اذان کی نقل اتارنی شروع کر دی۔ آں حضرت ﷺ نے سب کو بلوا کر ایک ایک سے اذان کہلوائی۔ ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش لحن تھے۔ ان کی آواز پسند آئی۔ سامنے بٹھا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کے لیے دعا کی۔ پھر ان کو اذان سکھلا کر ارشاد فرمایا کہ جاؤ، اسی طرح حرم میں اذان دیا کرنا۔

National Book Foundation

۶۔اتوار کے دن کے اخبار میں مختلف موضوعات پر خبریں، اداریے اور فیچر شامل اشاعت ہوتے ہیں۔آپ ان میں سے اخلاقی، معاشی اور معاشرتی موضوع کی حامل خبروں، فیچروں کا منتخب کر کے کسی ایک ساتھی طالب علم کو کہیں کہ وہ درست تلفظ کے ساتھ ان کی بلند خوانی کرے۔ باقی طلبہ انھیں سن کر باری باری ان پر استحسانی اور تنقیدی گفت گو کریں۔

۷۔ متضاد الفاظ

ایسے الفاظ جو ایک دوسرے کے اُلٹ یا مخالف معانی ظاہر کریں۔ مثلاً: اسلام کا متضاد کفر

❖ **درج ذیل الفاظ میں سے باہم متضاد جوڑیاں شناخت کرتے ہوئے اُنھیں جملوں میں استعمال کریں۔**

بڑھاپا	خزاں	دشوار	حریف	جوانی
عارضی	بہار	حلیف	نشیب	فراز

❖ **سیرت نگاری**

سیرت نگاری ﷺ اسی روز شروع ہو گئی تھی جب نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال کو محفوظ کرنا شروع کیا گیا تھا۔ سیرۃ طیبہ ﷺ سے متعلق روایات اور حضور ﷺ کے مصدقہ اقوال کی تحقیق و تلاش نے وقت کے ساتھ ساتھ، فن حدیث اور فنِ مغازی کی صورت اختیار کر لی۔ اُردو ادب میں سیرت نگاری کی منظوم ابتدا تو گیارھویں صدی ہجری میں ہو چکی تھی لیکن اُردو نثر ارتقائی سفر میں سیرت پر کتب پر تصنیف و تالیف تیرھویں صدی ہجری سے شروع ہوئی۔ سر سید احمد خان کے ''خطباتِ احمدیہ''، مولانا حالی کے ''معراج نامے، مولود نامے، شمائل نامے، نور نامے'' بیسویں صدی کے وسط میں تحریر ہوئے۔اسی دور میں مسلم مفکرین کی سیرت سے متعلقہ چند ایسی تصانیف سامنے آئیں جنھیں عوام میں زبردست پذیرائی ملی۔ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی کی پانچ جلدوں پر مشتمل ''سیرۃ النبی ﷺ'' عوام و خواص میں خاص طور پر مقبول ہوئی۔ سیرت نگاری کی یہ روایت اپنی تمام تر توانائی، عقیدت اور درخشندگی کے ساتھ ہنوز جاری ہے۔

سرگرمی

- لائبریری سے شبلی نعمانی کی تصنیف و تالیف ''سیرۃ النبی ﷺ'' کی جلد اول جاری کروائیں۔اس کا بغور مطالعہ کریں اور اپنے استاد محترم یا استانی صاحبہ کی رہ نمائی میں اس کی تفہیم کرتے ہوئے تبصرہ کریں اور مختلف نظریات کے حامل قارئین پر اس کے اثرات کا تجزیہ پیش کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- سیرت نگاری کے اصولوں پر بات چیت کریں اور اُن کی روشنی میں شبلی نعمانی کی سیرت نگاری پر طلبہ سے رائے لیں۔
- اصناف ادب کے حوالے سے مختلف طرز ہائے تحریر کا تعارف کرائیں اور کتاب سے مختلف اصناف ادب کے متعلق مضامین پر طلبہ سے تبصرہ کریں۔

National Book Foundation

سعادت حسن منٹو (۱۹۱۲ء۔۱۹۵۵ء)

۲ نیا قانون

یہ سبق پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

- کلام/بات کو آغاز/درمیان سے سن کر مرکزی خیال، نکتے یا تصور تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھنے اور موضوع کو بیان کرنے کے قابل ہو سکیں۔
- مجازی اور اصطلاحی محضر میں گفتگو کر سکیں۔
- افسانوی و غیر افسانوی اقتباسات کو اس کے اسلوب اور بیان کے پیش نظر خاص مقاصد (تفہیم، تجزیہ، موزانہ وغیرہ) کے لیے پڑھ سکیں۔
- مختلف مقاصد کے لیے مرتب دفتری اور عدالتی مواد (مختلف فارم، رجسٹری برائے کرایہ، تقرر نامے، ملازمت کی درخواست، نکاح نامہ، عرضی، عدالتی حکم نامے، ضمانتی مچلکے وغیرہ) پر مبنی متن پڑھ سکیں اور اس کے مقصد تحریر کی اہمیت سے واقف ہو سکیں۔
- مختلف منظوم/منثور اصناف ادب پڑھ کر شعرا/مصنفین کے طرز تحریر پر تبصرہ کر سکیں۔
- کہانی/مضمون/سفر نامے/افسانے، ڈرامے کے اجزا اور ادبی محاسن کو شناخت کر سکیں۔
- مختلف عبارتیں پڑھ کر ان میں درج معلومات اور تصورات کی پیش کش پر تبصرہ کرتے ہوئے قارئین پر ان کے اثرات کا تجزیہ کر سکیں۔
- مترادف الفاظ کی شناخت کرتے ہوئے تحریر میں برجستہ استعمال کر سکیں۔

پڑھیں

منگو کوچوان اپنے اڈے میں بہت عقل مند آدمی سمجھا جاتا تھا۔ گو اس کی تعلیمی حیثیت صفر کے برابر تھی اور اس نے کبھی اسکول کا منھ بھی نہیں دیکھا تھا لیکن اس کے باوجود اسے دنیا بھر کی چیزوں کا علم تھا۔ اڈے کے وہ تمام کوچوان جن کو یہ جاننے کی خواہش ہوتی تھی کہ دنیا کے اندر کیا ہو رہا ہے، استاد منگو کی وسیع معلومات سے اچھی طرح واقف تھے۔

پچھلے دنوں جب استاد منگو نے اپنی ایک سواری سے اسپین میں جنگ چھڑ جانے کی افواہ سنی تھی تو اس نے گاما چودھری کے چوڑے کاندھے پر تھپکی دے کر مدبرانہ انداز میں پیش گوئی کی تھی: ”دیکھ لینا گاما چودھری، تھوڑے ہی دنوں میں اسپین کے اندر جنگ چھڑ جائے گی۔“

جب گاما چودھری نے اس سے یہ پوچھا تھا کہ اسپین کہاں واقع ہے تو استاد منگو نے بڑی متانت سے جواب دیا تھا، ”ولایت میں اور کہاں؟“

اسپین کی جنگ چھڑی اور جب ہر شخص کو پتہ چل گیا تو اسٹیشن کے اڈے میں جتنے کوچوان حقہ پی رہے تھے دل ہی دل میں استاد منگو کی بڑائی کا اعتراف کر رہے تھے اور استاد منگو اس وقت مال روڈ کی چمکیلی سطح پر تانگہ چلاتے ہوئے کسی سواری سے تازہ ہندو مسلم فساد پر تبادلہ خیال کر رہا تھا۔

اس روز شام کے قریب جب وہ اڈے میں آیا تو اس کا چہرہ غیر معمولی طور پر تمتمایا ہوا تھا۔ حقے کا دور چلتے چلتے جب ہندو مسلم فساد کی بات چھڑی تو استاد منگو نے سر پر سے خاکی پگڑی اتاری اور بغل میں داب کر بڑے مفکرانہ لہجے میں کہا: ”یہ کسی پیر کی بد دعا کا نتیجہ ہے کہ آئے دن ہندوؤں اور

National Book Foundation

مسلمانوں میں چاقو، چھریاں چلتی رہتی ہیں اور میں نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ اکبر بادشاہ نے کسی درویش کا دل دکھایا تھا اور اس درویش نے جل کر یہ بددعا دی تھی: 'جا، تیرے ہندستان میں ہمیشہ فساد ہی ہوتے رہیں گے اور دیکھ لو جب سے اکبر بادشاہ کا راج ختم ہوا ہے ہندستان میں فساد پر فساد ہوتے رہتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور پھر حقّے کا دم لگا کر اپنی بات شروع کی، ''یہ کانگرسی ہندستان کو آزاد کرانا چاہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر یہ لوگ ہزار سال بھی سر پٹکتے رہیں تو کچھ نہ ہوگا۔ بڑی سے بڑی بات یہ ہوگی کہ انگریز چلا جائے گا اور کوئی اٹلی والا آجائے گا یا وہ روس والا جس کی بابت میں نے سنا ہے کہ بہت تگڑا آدمی ہے۔ لیکن ہندستان سدا غلام رہے گا۔ ہاں میں یہ کہنا بھول ہی گیا کہ پیر نے یہ بددعا بھی دی تھی کہ ہندستان پر ہمیشہ باہر کے آدمی راج کرتے رہیں گے۔ ''

استاد منگو کو انگریزوں سے بڑی نفرت تھی اور اس نفرت کا سبب تو وہ یہ بتلایا کرتا تھا کہ وہ ہندستان پر اپنا سکہ چلاتے ہیں اور طرح طرح کے ظلم ڈھاتے ہیں۔ مگر اس کے تنفّر کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ چھاؤنی کے گورے اسے بہت ستایا کرتے تھے۔ وہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کرتے تھے گویا وہ ایک ذلیل کتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے ان کا رنگ بھی بالکل پسند نہ تھا۔ جب کبھی وہ گورے کے سرخ و سپید چہرے کو دیکھتا تو اُسے متلی آجاتی۔ نامعلوم کیوں وہ کہا کرتا تھا کہ ان کے لال جھریوں بھرے چہرے دیکھ کر مجھے وہ لاش یاد آجاتی ہے جس کے جسم پر سے اوپر کی جھلّی گل گل کر جھڑ رہی ہو۔

جب کسی شرابی گورے سے اس کا جھگڑا ہو جاتا تو سارا دن اس کی طبیعت مکّدر رہتی اور وہ شام کو اڈے میں آکر ہل مار کہ سگرٹ پیتے یا حُقّے کے کش لگاتے ہوئے اس 'گورے' کو جی بھر کر سنایا کرتا۔ ''۔۔۔'' یہ موٹی گالی دینے کے بعد وہ اپنے سر کو ڈھیلی پگڑی سمیت جھٹکا دے کر کہا کرتا تھا، ''آگ لینے آئے تھے۔ اب گھر کے مالک ہی بن گئے ہیں۔ ناک میں دم کر رکھا ہے ان بندروں کی اولاد نے۔ یوں رعب گانٹھتے ہیں گویا ہم ان کے باوا کے نوکر ہیں۔ ''

اس پر بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا۔ جب تک اس کا کوئی ساتھی اس کے پاس بیٹھا رہتا وہ اپنے سینے کی آگ اگلتا رہتا، ''شکل دیکھتے ہو نا تم اس کی۔۔۔ جیسے کوڑھ ہو رہا ہے۔۔۔ بالکل مردار، ایک دھپّے کی مار اور گٹ پٹ یوں بک رہا تھا جیسے مار ہی ڈالے گا۔ تیری جان کی قسم، پہلے پہل جی میں آئی کہ ملعون کی کھوپڑی کے پرزے اڑا دوں لیکن اس خیال سے ٹل گیا کہ اس مردود کو مارنا اپنی ہتک ہے۔۔۔'' یہ کہتے کہتے وہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو جاتا اور ناک کو خاکی قمیص سے صاف کرنے کے بعد پھر بڑبڑانے لگ جاتا، ''قسم ہے بھگوان کی ان لاٹ صاحبوں کے ناز اٹھاتے اٹھاتے تنگ آگیا ہوں۔ جب کبھی ان کا منحوس چہرہ دیکھتا ہوں رگوں میں خون کھولنے لگ جاتا ہے۔ کوئی نیا قانون وانون بنے تو ان لوگوں سے نجات ملے۔ تیری قسم جان میں جان آجائے۔ ''

اور جب ایک روز استاد منگو نے کچہری سے اپنے تانگے پر دو سواریاں لادیں اور ان کی گفتگو سے اسے پتہ چلا کہ ہندستان میں جدید آئین کا نفاذ ہونے والا ہے تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

دو مارواڑی جو کچہری میں اپنے دیوانی مقدمے کے سلسلے میں آئے تھے گھر جاتے ہوئے جدید آئین یعنی انڈیا ایکٹ کے متعلق آپس میں بات چیت کر رہے تھے، ''سنا ہے کہ پہلی اپریل سے ہندوستان میں نیا قانون چلے گا۔۔۔ یا ہر چیز بدل جائے گی؟ ''

''ہر چیز تو نہیں بدلے گی۔ مگر کہتے ہیں کہ بہت کچھ بدل جائے گا اور ہندستانیوں کو آزادی مل جائے گی؟ ''

''کیا بیاج کے متعلق بھی کوئی نیا قانون پاس ہوگا؟ ''

''یہ پوچھنے کی بات ہے کل کسی وکیل سے دریافت کریں گے۔'' ان مارواڑیوں کی بات چیت استاد منگو کے دل میں ناقابلِ بیان خوشی پیدا کر رہی تھی۔ وہ اپنے گھوڑے کو ہمیشہ گالیاں دیتا تھا اور چابک سے بہت بری طرح پیٹا کرتا تھا۔ مگر اس روز وہ بار بار پیچھے مڑ کر مارواڑیوں کی طرف دیکھتا اور اپنی بڑھی ہوئی

National Book Foundation

مونچھوں کے بال ایک انگلی سے بڑی صفائی کے ساتھ اونچے کر کے گھوڑے کی پیٹھ پر باگیں ڈھیلی کرتے ہوئے بڑے پیار سے کہتا، ''چل بیٹا۔۔۔ذرا ہوا سے باتیں کر کے دکھادے۔ ''

مارواڑیوں کو ان کے ٹھکانے پہنچا کر اس نے انارکلی میں دینو حلوائی کی دکان پر آدھ سیر دہی کی لسّی پی کر ایک بڑی ڈکار لی۔اور مونچھوں کو منہ میں دبا کر ان کو چوستے ہوئے ایسے ہی بلند آواز میں کہا، ''ہت تیری ایسی تیسی۔ ''

شام کو جب وہ اڈے کو لوٹا تو خلافِ معمول اسے وہاں اپنی جان پہچان کا کوئی آدمی نہ مل سکا۔یہ دیکھ کر اس کے سینے میں ایک عجیب و غریب طوفان برپا ہو گیا۔آج وہ ایک بڑی خبر اپنے دوستوں کو سنانے والا تھا۔۔۔بہت بڑی خبر،اور اس خبر کو اپنے اندر سے نکالنے کے لیے وہ سخت مجبور ہو رہا تھا لیکن وہاں کوئی تھا ہی نہیں۔

آدھ گھنٹے تک وہ چابک بغل میں دبائے اسٹیشن کے اڈے کی آہنی چھت کے نیچے بے قراری کی حالت میں ٹہلتا رہا۔اس کے دماغ میں بڑے اچھے اچھے خیالات آ رہے تھے۔نئے قانون کے نفاذ کی خبر نے اس کو ایک نئی دنیا میں لا کر کھڑا کر دیا تھا۔وہ اس نئے قانون کے متعلق جو پہلی اپریل کو ہندستان میں نافذ ہونے والا تھا اپنے دماغ کی تمام بتیاں روشن کر کے غور و فکر کر رہا تھا۔اس کے کانوں میں مارواڑی کا یہ اندیشہ ''کیا بیاج کے متعلق بھی کوئی نیا قانون پاس ہو گا؟'' بار بار گونج رہا تھا۔اور اس کے تمام جسم میں مسّرت کی ایک لہر دوڑا رہا تھا۔کئی بار اپنی گھنی مونچھوں کے اندر ہنس کر اس نے مارواڑیوں کو گالی دی۔۔۔''غریبوں کی کھٹیا میں گھسے ہوئے کھٹمل۔۔۔نیا قانون ان کے لیے کھولتا ہوا پانی ہو گا۔ ''

وہ بے حد مسرور تھا،خاص کر اس وقت اس کے دل کو بہت ٹھنڈک پہنچتی جب وہ خیال کرتا کہ گوروں۔۔۔سفید چوہوں (وہ ان کو اسی نام سے یاد کیا کرتا تھا) کی تھوتھنیاں نئے قانون کے آتے ہی بلوں میں ہمیشہ کے لیے غائب ہو جائیں گی۔

جب نتھو گنجا،پگڑی بغل میں دبائے،اڈے میں داخل ہوا تو استاد منگو بڑھ کر اس سے ملا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بلند آواز سے کہنے لگا، ''لا ہاتھ ادھر۔۔۔ایسی خبر سناؤں کہ جی خوش ہو جائے۔۔۔تیری اس گنجی کھوپڑی پر بال اگ آئیں۔''اور یہ کہہ کر منگو نے بڑے مزے لے لے کر نئے قانون کے متعلق اپنے دوست سے باتیں شروع کر دیں۔دورانِ گفتگو میں اس نے کئی مرتبہ نتھو گنجے کے ہاتھ پر زور سے اپنا ہاتھ مار کر کہا، ''تو دیکھتا رہ،کیا بنتا ہے،یہ روس والا بادشاہ کچھ نہ کچھ ضرور کر کے رہے گا۔ ''

استاد منگو موجودہ سوویت نظام کی اشتراکی سرگرمیوں کے متعلق بہت کچھ سن چکا تھا۔اور اسے وہاں کے نئے قانون اور دوسری نئی چیزیں بہت پسند تھیں۔اسی لیے اس نے روس والے بادشاہ کو ''انڈیا ایکٹ'' یعنی جدید آئین کے ساتھ ملا دیا۔اور پہلی اپریل کو پرانے نظام میں جو نئی تبدیلیاں ہونے والی تھیں۔وہ انھیں ''روس والے بادشاہ'' کے اثر کا نتیجہ سمجھتا تھا۔

کچھ عرصے سے پشاور اور دیگر شہروں میں سرخ پوشوں کی تحریک جاری تھی۔منگو نے اس تحریک کو اپنے دماغ میں 'روس والے بادشاہ' اور پھر نئے قانون کے ساتھ خلط ملط کر دیا تھا۔اس کے علاوہ جب کبھی وہ کسی سے سنتا کہ فلاں شہر میں بم ساز پکڑے گئے ہیں۔یا فلاں جگہ اتنے آدمیوں پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا ہے۔تو ان تمام واقعات کو نئے قانون کا پیش خیمہ سمجھتا اور دل ہی دل میں خوش ہوتا۔

ایک روز اس کے تانگے میں دو بیرسٹر بیٹھے نئے آئین پر بڑے زور سے تبادلہ خیال کر رہے تھے۔اور وہ خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ان میں سے ایک،دوسرے سے کہہ رہا تھا، ''جدید آئین کا دوسرا حصّہ فیڈریشن ہے جو میری سمجھ میں ابھی تک نہیں آ سکا۔فیڈریشن دنیا کی تاریخ میں آج

National Book Foundation

تک نہ سنی نہ دیکھی گئی۔ سیاسی نظریہ سے بھی یہ فیڈریشن بالکل غلط ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ کوئی فیڈریشن ہے ہی نہیں "!

ان بیرسٹروں کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس میں بیشتر الفاظ انگریزی کے تھے۔ اس لیے استاد منگو صرف اوپر کے جملے ہی کو کسی قدر سمجھا اور اس نے کہا، "یہ لوگ ہندوستان میں نئے قانون کی آمد کو برا سمجھتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ ان کا وطن آزاد ہو۔" چناں چہ اس خیال کے زیر اثر اس نے کئی مرتبہ ان دو بیرسٹروں کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھ کر کہا، "ٹوڈی بچے "!

جب کبھی وہ کسی کو دبی زبان میں "ٹوڈی بچہ" کہتا تو دل میں یہ محسوس کر کے بڑا خوش ہوتا کہ اس نے اس نام کو صحیح جگہ استعمال کیا ہے اور یہ کہ وہ شریف آدمی اور "ٹوڈی بچے" کی تمیز کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔

اس واقعے کے تیسرے روز وہ گورنمنٹ کالج کے تین طلبا کو اپنے تانگے میں بٹھا کر مزنگ جا رہا تھا کہ اس نے ان تین لڑکوں کو آپس میں یہ باتیں کرتے سنا، "نئے آئین نے میری امیدیں بڑھا دی ہیں اگر۔۔۔ صاحب اسمبلی کے ممبر ہو گئے۔ تو کسی سرکاری دفتر میں ملازمت ضرور مل جائے گی۔ "

"ویسے بھی بہت سی جگہیں اور نکلیں گی۔ شاید اسی گڑبڑ میں ہمارے ہاتھ بھی کچھ آ جائے۔ "

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ "

"وہ بے کار گریجویٹ جو مارے مارے پھر رہے ہیں۔ ان میں کچھ تو کمی ہو گی۔ "

اس گفتگو نے استاد منگو کے دل میں جدید آئین کی اہمیت اور بھی بڑھا دی۔ وہ اس کو ایسی 'چیز' سمجھنے لگا جو بہت چمکتی ہو۔ 'نیا قانون۔۔۔!' وہ دن میں کئی بار سوچتا، یعنی کوئی 'نئی چیز!' اور ہر بار اس کی نظروں کے سامنے اپنے گھوڑے کا وہ ساز آ جاتا۔ جو اس نے دو برس ہوئے چودھری خدا بخش سے اچھی طرح ٹھونک بجا کر خریدا تھا۔ اس ساز پر جب وہ نیا تھا۔ جگہ جگہ لوہے کی نکل چڑھی ہوئی کیلیں چمکتی تھیں اور جہاں جہاں پیتل کا کام تھا وہ تو سونے کی طرح دمکتا تھا۔ اس لحاظ سے بھی 'نئے قانون' کا درخشاں و تاباں ہونا ضروری تھا۔

پہلی اپریل تک استاد منگو نے جدید آئین کے خلاف اور اس کے حق میں بہت کچھ سنا۔ مگر اس کے متعلق جو تصور وہ اپنے ذہن میں قائم کر چکا تھا، بدل نہ سکا۔ وہ سمجھتا تھا کہ پہلی اپریل کو نئے قانون کے آتے ہی سب معاملہ صاف ہو جائے گا اور اس کو یقین تھا کہ اس کی آمد پر جو چیزیں نظر آئیں گی ان سے اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے گی۔

آخر کار مارچ کے اکتیس دن ختم ہو گئے اور اپریل کے شروع ہونے میں رات کے چند خاموش گھنٹے باقی رہ گئے۔ موسم خلافِ معمول سرد تھا اور ہوا میں تازگی تھی۔ پہلی اپریل کو صبح سویرے استاد منگو اٹھا اور اصطبل میں جا کر گھوڑے کو جوتا اور باہر نکل گیا۔ اس کی طبیعت آج غیر معمولی طور پر مسرور تھی۔۔۔ وہ نئے قانون کو دیکھنے والا تھا۔

اس نے صبح کے سرد دھندلکے میں کئی تنگ اور کھلے بازاروں کا چکر لگایا۔ مگر اسے ہر چیز پرانی نظر آئی۔ آسمان کی طرح پرانی۔ اس کی نگاہیں آج خاص طور پر نیا رنگ دیکھنا چاہتی تھیں۔ مگر سوائے اس کلغی کے جو رنگ برنگ کے پروں سے بنی تھی اور اس کے گھوڑے کے سر پر جمی ہوئی تھی اور سب چیزیں پرانی نظر آتی تھیں۔ یہ نئی کلغی اس نے نئے قانون کی خوشی میں یکم مارچ کو چودھری خدا بخش سے ساڑھے چودہ آنہ میں خریدی تھی۔

گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز، کالی سڑک اور اس کے آس پاس تھوڑا تھوڑا فاصلہ چھوڑ کر لگائے ہوئے بجلی کے کھمبے، دکانوں کے بورڈ، اس کے گھوڑے کے گلے میں پڑے ہوئے گھنگرو کی جھنجھناہٹ، بازار میں چلتے پھرتے آدمی۔۔۔ ان میں سے کون سی چیز نئی تھی؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں لیکن استاد منگو مایوس نہیں تھا۔

National Book Foundation

"ابھی بہت سویرا ہے دکانیں بھی تو سب کی سب بند ہیں۔" اس خیال سے اسے تسکین تھی۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی سوچتا تھا، "ہائی کورٹ میں نو بجے کے بعد ہی کام شروع ہوتا ہے۔ اب اس سے پہلے نئے قانون کا کیا نظر آئے گا؟"

جب اس کا تانگہ گورنمنٹ کالج کے دروازے کے قریب پہنچا۔ تو کالج کے گھڑیال نے بڑی رعونت سے نو بجائے۔ جو طلبا کالج کے بڑے دروازے سے باہر نکل رہے تھے۔ خوش پوش تھے۔ مگر استاد منگو کو نہ جانے ان کے کپڑے میلے میلے سے کیوں نظر آئے۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی، کہ اس کی نگاہیں آج کسی خیرہ کن جلوے کا نظارہ کرنے والی تھیں۔

تانگے کو دائیں ہاتھ موڑ کر وہ تھوڑی دیر کے بعد پھر انارکلی میں تھا۔ بازار کی آدھی دکانیں کھل چکی تھیں اور اب لوگوں کی آمد و رفت بھی بڑھ گئی تھی۔ حلوائی کی دکانوں پر گاہکوں کی خوب بھیڑ تھی۔ منیاری والوں کی نمائشی چیزیں شیشے کی الماریوں میں لوگوں کو دعوتِ نظارہ دے رہی تھیں اور بجلی کے تاروں پر کئی کبوتر آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے۔ مگر استاد منگو کے لیے ان تمام چیزوں میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔۔۔ وہ نئے قانون کو دیکھنا چاہتا تھا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح وہ اپنے گھوڑے کو دیکھ رہا تھا۔

جب استاد منگو کے گھر میں بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ تو اس نے چار پانچ مہینے بڑی بے قراری سے گزارے تھے۔ اس کو یقین تھا کہ بچہ کسی نہ کسی دن ضرور پیدا ہو گا مگر وہ انتظار کی گھڑیاں نہیں کاٹ سکتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے بچے کو صرف ایک نظر دیکھ لے۔ اس کے بعد وہ پیدا ہوتا رہے۔ ایک مرتبہ وہ انتظار کرتے کرتے اس قدر تنگ آ گیا تھا کہ اپنی بیوی پر برس پڑا تھا، "تو ہر وقت مردے کی طرح پڑی رہتی ہے۔ اُٹھ ذرا چل پھر، تیرے انگ میں تھوڑی سی طاقت تو آئے۔ یوں تختہ بنے رہنے سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ تو سمجھتی ہے کہ اس طرح لیٹے لیٹے بچّہ جن دے گی؟"

استاد منگو طبعاً بہت جلد باز واقع ہوا تھا۔ وہ ہر سبب کی عملی تشکیل دیکھنے کا خواہش مند تھا بلکہ متجسّس تھا۔ اس کی بیوی گنگا دیوی اس کی اس قسم کی بے قراریوں کو دیکھ کر عام طور پر یہ کہا کرتی تھی، "ابھی کنواں کھودا نہیں گیا اور پیاس سے نڈھال ہو رہے ہو۔"

کچھ بھی ہو مگر استاد منگو نئے قانون کے انتظار میں اتنا بے قرار نہیں تھا۔ جتنا کہ اسے اپنی طبیعت کے لحاظ سے ہونا چاہیے تھا۔ وہ نئے قانون کو دیکھنے کے لیے گھر سے نکلا تھا، ٹھیک اسی طرح جیسے وہ گاندھی یا جواہر لعل کے جلوس کا نظارہ کرنے کے لیے نکلا کرتا تھا۔

لیڈروں کی عظمت کا اندازہ اُستاد منگو ہمیشہ ان کے جلوس کے ہنگاموں اور ان کے گلے میں ڈالے ہوئے پھولوں کے ہاروں سے کیا کرتا تھا اگر کوئی لیڈر گیندے کے پھولوں سے لدا ہو تو استاد منگو کے نزدیک، وہ بڑا آدمی تھا۔ اور اگر کسی لیڈر کے جلوس میں بھیڑ کے باعث دو تین فساد ہوتے ہوتے رہ جائیں۔ تو اس کی نگاہوں میں وہ اور بھی بڑا تھا۔ اب نئے قانون کو وہ اپنے ذہن کے اسی ترازو میں تولنا چاہتا تھا۔

انارکلی سے نکل کر وہ مال روڈ کی چمکیلی سطح پر اپنے تانگے کو آہستہ آہستہ چلا رہا تھا کہ موٹروں کی دکان کے پاس اسے چھاؤنی کی ایک سواری مل گئی۔ کرایہ طے کرنے کے بعد اس نے اپنے گھوڑے کو چابک دکھایا۔ اور دل میں خیال کیا، "چلو یہ بھی اچھا ہوا۔۔۔ شاید چھاؤنی ہی سے نئے قانون کا کچھ پتہ چل جائے۔"

چھاؤنی پہنچ کر استاد منگو نے سواری کو اس کی منزل مقصود پر اتار دیا۔ اور جیب سے سگریٹ نکال کر بائیں ہاتھ کی آخری دو انگلیوں میں دبا کر سلگایا۔ اور پچھلی نشست کے گدّے پر بیٹھ گیا۔۔۔ جب استاد منگو کو کسی سواری کی تلاش نہیں ہوتی تھی۔ یا اسے کسی بیتے ہوئے واقعے پر غور کرنا ہوتا تھا۔ تو وہ عام طور پر اگلی نشست چھوڑ کر پچھلی نشست پر بڑے اطمینان سے بیٹھ کر اپنے گھوڑے کی باگیں دائیں ہاتھ کے گرد لپیٹ لیا کرتا تھا۔ ایسے موقعوں پر

National Book Foundation

اس کا گھوڑا تھوڑا سا ہنہنانے کے بعد بڑی دھیمی چال چلنا شروع کر دیتا تھا۔ گویا اسے کچھ دیر کے لیے بھاگ دوڑ سے چھٹی مل گئی ہے۔

گھوڑے کی چال اور استاد منگو کے دماغ میں خیالات کی آمد بہت سست تھی۔ جس طرح گھوڑا آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہا تھا۔ اسی طرح استاد منگو کے ذہن میں نئے قانون کے متعلق نئے قیاسات داخل ہو رہے تھے۔

وہ نئے قانون کی موجودگی میں میونسپل کمیٹی سے تانگوں کے نمبر ملنے کے طریقے پر غور کر رہا تھا۔ وہ اس قابل غور بات کو آئین جدید کی روشنی میں دیکھنے کی سعی کر رہا تھا۔ وہ اس سوچ بچار میں غرق تھا۔ اسے یوں معلوم ہوا جیسے کسی سواری نے اسے بلایا ہے۔ پیچھے پلٹ کر دیکھنے سے اسے سڑک کے اس طرف دُور بجلی کے کھمبے کے پاس ایک ''گورا'' کھڑا نظر آیا۔ جو اسے ہاتھ سے بلا رہا تھا۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے استاد منگو کو گوروں سے بے حد نفرت تھی۔ جب اس نے اپنے تازہ گاہک کو گورے کی شکل میں دیکھا تو اس کے دل میں نفرت کے جذبات بیدار ہو گئے۔ پہلے تو اس کے جی میں آئی کہ بالکل توجہ نہ دے اور اس کو چھوڑ کر چلا جائے مگر بعد میں اس کو خیال آیا ان کے پیسے چھوڑنا بھی بیوقوفی ہے۔ کلغی پر جو مفت میں ساڑھے چودہ آنے خرچ کر دیے ہیں، ان کی جیب ہی سے وصول کرنے چاہییں۔ چلو چلتے ہیں۔

خالی سڑک پر بڑی صفائی سے تانگا موڑ کر اس نے گھوڑے کو چابک دکھایا اور آنکھ جھپکنے میں وہ بجلی کے کھمبے کے پاس تھا۔ گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اس نے تانگہ ٹھہرایا اور پچھلی نشست پر بیٹھے بیٹھے گورے سے پوچھا، ''صاحب بہادر کہاں جانا مانگتا ہے؟'' اس سوال میں بلا کا طنزیہ انداز تھا، صاحب بہادر کہتے وقت اس کا اوپر کا مونچھوں بھرا ہونٹ نیچے کی طرف کھنچ گیا۔ اور پاس ہی گال کے اس طرف جو مدھم سی لکیر ناک کے نتھنے سے ٹھوڑی کے بالائی حصے تک چلی آ رہی تھی، ایک لرزش کے ساتھ گہری ہو گئی، گویا کسی نے نوکیلے چاقو سے شیشم کی سانولی لکڑی میں دھاری ڈال دی ہے۔ اس کا سارا چہرہ ہنس رہا تھا، اور اپنے اندر اس نے اس ''گورے'' کو سینے کی آگ میں جلا کر بھسم کر ڈالا تھا۔

جب ''گورے'' نے جو بجلی کے کھمبے کی اوٹ میں ہوا کا رخ بچا کر سگرٹ سُلگا رہا تھا مڑ کر تانگے کے پائدان کی طرف قدم بڑھایا تو اچانک استاد منگو کی اور اس کی نگاہیں چار ہوئیں اور ایسا معلوم ہوا کہ بیک وقت آمنے سامنے کی بندوقوں سے گولیاں خارج ہوئیں اور آپس میں ٹکرا کر ایک آتشیں بگولا بن کر اوپر کو اڑ گئیں۔

استاد منگو جو اپنے دائیں ہاتھ سے باگ کے بل کھول کر تانگے پر سے نیچے اُترنے والا تھا۔ اپنے سامنے کھڑے 'گورے' کو یوں دیکھ رہا تھا گویا وہ اس کے وجود کے ذرّے ذرّے کو اپنی نگاہوں سے چبا رہا ہے۔ اور گورا کچھ اس طرح اپنی نیلی پتلون پر سے غیر مرئی چیزیں جھاڑ رہا ہے، گویا وہ استاد منگو کے اس حملے سے اپنے وجود کے کچھ حصے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔

گورے نے سگریٹ کا دھواں نکالتے ہوئے کہا، ''جانا مانگتا یا پھر گڑبڑ کرے گا؟''

''وہی ہے'' یہ لفظ استاد منگو کے ذہن میں پیدا ہوئے اور اس کی چوڑی چھاتی کے اندر ناچنے لگے۔

''وہی ہے۔'' اس نے یہ لفظ اپنے منہ کے اندر ہی اندر دہرائے اور ساتھ ہی اسے پورا یقین ہو گیا کہ وہ گورا جو اس کے سامنے کھڑا تھا وہی ہے جس سے پچھلے برس اس کی جھڑپ ہوئی تھی، اور اس خواہ مخواہ کے جھگڑے میں جس کا باعث گورے کے دماغ میں چڑھی ہوئی شراب تھی۔ اسے طوعاً و کرہاً بہت سی باتیں سہنا پڑی تھیں۔ استاد منگو نے گورے کا دماغ درست کر دیا ہوتا بلکہ اس کے پرزے اڑا دیے ہوتے، مگر وہ کسی خاص مصلحت کی بنا پر خاموش ہو گیا تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ اس قسم کے جھگڑوں میں عدالت کا نزلہ عام طور کو چوانوں ہی پر گرتا ہے۔

National Book Foundation

استاد منگو نے پچھلے برس کی لڑائی اور پہلی اپریل کے نئے قانون پر غور کرتے ہوئے گورے سے کہا، ''کہاں جانا مانگتا ہے؟'' استاد منگو کے لہجے میں چابک ایسی تیزی تھی۔ گورے نے جواب دیا۔ ''ہیرا منڈی۔ ''

''کرایہ پانچ روپے ہو گا''۔ استاد منگو کی مونچھیں تھرتھرائیں۔

یہ سن کر گورا حیران ہو گیا۔ وہ چلّایا۔ ''پانچ روپے۔ کیا تم۔۔۔؟ ''

''ہاں، ہاں، پانچ روپے۔'' یہ کہتے ہوئے استاد منگو کا داہنا بالوں بھرا ہاتھ بھنچ کر ایک وزنی گھونسے کی شکل اختیار کر گیا۔ ''کیوں جاتے ہو یا بے کار باتیں بناؤ گے؟'' استاد منگو کا لہجہ زیادہ سخت ہو گیا۔

گورا پچھلے برس کے واقعے کو پیش نظر رکھ کر استاد منگو کے سینے کی چوڑائی نظر انداز کر چکا تھا۔ وہ خیال کر رہا تھا کہ اس کی کھوپڑی پھر کھجلا رہی ہے۔ اس حوصلہ افزا خیال کے زیر اثر وہ تانگے کی طرف اکڑ کر بڑھا اور اپنی چھڑی سے استاد منگو کو تانگے پر سے نیچے اُترنے کا اشارہ کیا۔ بید کی یہ پالش کی ہوئی پتلی چھڑی استاد منگو کی موٹی ران کے ساتھ دو تین مرتبہ چھوئی۔ اس نے کھڑے کھڑے اوپر سے پست قد گورے کو دیکھا گویا وہ اپنی نگاہوں کے وزن ہی سے اسے پیس ڈالنا چاہتا ہے۔ پھر اس کا گھونسہ کمان میں سے تیر کی طرح سے اوپر کو اٹھا اور چشم زدن میں گورے کی ٹھڈی کے نیچے جم گیا۔ دھکا دے کر اس نے گورے کو پرے ہٹایا۔ اور نیچے اتر کر اسے دھڑا دھڑ پیٹنا شروع کر دیا۔

ششدر و متحیر گورے نے ادھر ادھر سمٹ کر استاد منگو کے وزنی گھونسوں سے بچنے کی کوشش کی۔ اور جب دیکھا کہ اس کے مخالف پر دیوانگی کی سی حالت طاری ہے۔ اور اس کی آنکھوں میں سے شرارے برس رہے ہیں۔ تو اس نے زور زور سے چلانا شروع کیا۔ اس کی چیخ و پکار نے استاد منگو کی بانہوں کا کام اور بھی تیز کر دیا۔ وہ گورے کو جی بھر کے پیٹ رہا تھا اور ساتھ ساتھ یہ کہتا جاتا تھا، ''پہلی اپریل کو بھی وہی اکڑفوں۔۔۔ پہلی اپریل کو بھی وہی اکڑفوں۔۔۔ اب ہمارا راج ہے بچہ ''!

لوگ جمع ہو گئے۔ اور پولیس کے دو سپاہیوں نے بڑی مشکل سے گورے کو استاد منگو کی گرفت سے چھڑایا۔ استاد منگو ان دو سپاہیوں کے درمیان کھڑا تھا اس کی چوڑی چھاتی پھولی سانس کی وجہ سے اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا۔ اور اپنی مسکراتی ہوئی آنکھوں سے حیرت زدہ مجمع کی طرف دیکھ کر وہ ہانپتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''

''وہ دن گزر گئے۔ جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے۔۔۔ اب نیا قانون ہے میاں۔۔۔ نیا قانون ''!

اور بے چارا گورا اپنے بگڑے ہوئے چہرے کے ساتھ بے وقوفوں کے مانند کبھی استاد منگو کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی ہجوم کی طرف۔

استاد منگو کو پولیس کے سپاہی تھانے میں لے گئے۔ راستے میں اور تھانے کے اندر کمرے میں وہ ''نیا قانون نیا قانون'' چلّاتا رہا۔ مگر کسی نے ایک نہ سنی۔

''نیا قانون، نیا قانون۔ کیا بک رہے ہو۔۔۔ قانون وہی ہے پرانا ''!

اور اس کو حوالات میں بند کر دیا گیا!

(منٹو کے بہترین افسانے)

National Book Foundation

سعادت حسن منٹو (۱۹۱۲ء۔۱۹۵۵ء)

سعادت حسن منٹو کی پیدائش سمبرالا (لدھیانہ) میں ہوئی۔ اپنے افسانوں کی طرح منٹو کی ذاتی زندگی بھی دل چسپ اور مختصر رہی تھی۔ زمانۂ طالب علمی ہی سے ادب میں دل چسپی تھی۔ تعلیمی سرگرمیوں کو ادھورا چھوڑ کر عملی زندگی کا آغاز کر دیا۔ غیر ملکی کہانیوں سے تراجم کا جو سلسلہ شروع کیا وہ تخلیقی کہانیوں کی اس انتہا پر پہنچا کہ سعادت حسن منٹو اردو افسانہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہو گئے۔ آل انڈیا ریڈیو، لاہور اور بمبئی کے متعدد فلمی رسالوں کی نہ صرف ادارت کی ذمہ داریاں سرانجام دیں بلکہ فلموں کی کہانیاں بھی تحریر کیں۔ اُن کی تخلیقی صلاحیتوں کو بمبئی کی فضا اور ماحول سے جِلا ملی اور اُن کا فن افسانہ نگاری خوب نکھر کر سامنے آیا۔ منٹو نے بعض ایسے سماجی اور معاشرتی موضوعات پر نہایت بہادری اور فنی نزاکت سے قلم اُٹھایا اور ایسی مؤثر کہانیاں تخلیق کیں جو صرف منٹو ہی کا خاصا گردانی جاتی ہیں۔ منٹو انسانی زندگی کی مختلف پرتوں، پہلوؤں اور نفسیات سے آگاہ تھے اور اسی آگاہی کو انھوں نے اپنے افسانوں کی ٹریٹمنٹ میں کامیابی سے استعمال کیا۔ اردو افسانہ نگاری کو پُر تکلف زبان سے نجات دلا کر بے تکلفی کی فضا سے آشنا کیا۔ قیام پاکستان کے بعد سعادت حسن منٹو بمبئی سے لاہور آ گئے لیکن یہاں بھی گردش حالات نے کوئی مثبت اور خوش آئند کروٹ نہ بدلی اور منٹو کی ساری عمر ہی افلاس اور کسمپرسی میں کٹی۔ منٹو نے زندگی کو ایک بازی کی طرح کھیلا اور ہار کر بھی جیت گئے۔ اپنی بیس سالہ ادبی زندگی میں اڑھائی سو کے لگ بھگ افسانے اور ایک سو کے قریب ڈرامے تخلیق کیے۔ متعدد فلموں کی کہانیاں، مکالمے، شخصیات کے کاکے اور متعدد مضامین بھی تحریر کیے۔ منٹو کے فن افسانہ نگاری کے بارے میں درست کہا جاتا ہے کہ انھوں نے بے شمار عقائد، مسلمات اور تصورات کو اپنی بے لاگ اور سفاک حقیقت نگاری سے ریزہ ریزہ کیا یہی وجہ ہے کہ منٹو کہا کرتے تھے کہ میں معاشرے کی بے ہودگیوں اور خرافات ہی کے متعلق لکھتا ہوں۔ منٹو کی بے لاگ اور حقیقت پسندانہ تحریریں بہت سے حلقوں کو ناگوار بھی گزرتی تھیں۔ منٹو نے اپنے افسانوں میں خیالی کرداروں کی بجائے سماج کے ہر طبقے اور انسانوں کی زندگی کو، نفسیاتی اور جذباتی تہہ داری کے ساتھ منتقل کر کے مکروہ چہروں کو بے نقاب کرنے کی ذمہ داری نبھائی۔ سعادت حسن منٹو کی تخلیقات دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ اُن کی تصنیفات میں سرگزشت اسیر، ویرا (تراجم)، آتش پارے، دھواں، لذتِ سنگ، چغد، ٹھنڈا گوشت، نمرود کی خدائی، بادشاہت کا خاتمہ سمیت ۲۵ کے قریب ہیں۔ سعادت حسن منٹو نے لاہور میں وفات پائی اور یہیں سپردِ خاک کیے گئے۔ سعادت حسن منٹو کو "نشانِ امتیاز" سمیت کئی ایوارڈز سے بھی نوازا گیا۔

مشق

۱۔ مصنف کی تکنیک مقصد اور اسلوب پر مبنی درج ذیل سوالات کے جواب دیں۔

الف۔ سعادت حسن منٹو کے افسانوں کے موضوعات کیا ہیں؟

ب۔ سعادت حسن منٹو نے اردو افسانے کے ارتقا میں کیا کردار ادا کیا؟

ج۔ اڈے کے تمام کوچوانوں کے لیے منگو کی کیا علمی حیثیت تھی؟

د۔ منگو کوچوان نے ہندو مسلم فساد کی کیا وجہ بتائی تھی؟

ر۔ ہندوستان کی آزادی اور غلامی کے متعلق منگو کی کیا رائے تھی؟

ہ۔ گورے سے جھگڑا ہونے کے بعد اڈے پہ آ کر منگو کوچوان گوروں کے متعلق کن خیالات کا اظہار کرتا؟

و۔ تانگے میں بیٹھنے والے دو نئے بیرسٹروں کو منگو نے "ٹوڈی بچے" کیوں کہا؟

ء۔ ابھی کنواں کھودا نہیں گیا اور پیاس سے نڈھال ہو رہے ہو۔ اس جملے کا مفہوم لکھیے۔

۲۔ تمام طلبا باری باری اس افسانے کی عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجے، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھیں اور باری باری اس افسانے سے متعلق اشارات اور اہم نکات بیان کریں۔ آپ یہ اشارات اور اہم نکات سن کر ان کی فہم کا تجزیہ کریں۔

افسانہ "نیا قانون" کے مرکزی کردار "منگو کوچوان" کے مکالموں کو دو طالب علم مجازی (ادبی) اور اصطلاحی (علمی) محضر میں گفتگو کے انداز میں پیش کریں۔

۳۔ درج ذیل عبارت کو افسانے کے درمیان سے لیا گیا ہے۔ ایک طالب علم اسے درست تلفظ سے ادا کرے جب کہ باقی طلبہ باری باری سیاق (عبارت کے بعد) و سباق (عبارت سے قبل) کے ساتھ اسے بیان کریں۔

National Book Foundation

""خالی سڑک پر بڑی صفائی سے تانگا موڑ کر اس نے گھوڑے کو چابک دکھایا اور آنکھ جھپکنے میں وہ بجلی کے کھمبے کے پاس تھا۔ گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اس نے تانگہ ٹھہرایا اور پچھلی نشست پر بیٹھے بیٹھے گورے سے پوچھا، ""صاحب بہادر کہاں جانا مانگتا ہے؟"" اس سوال میں بلا کا طنزیہ انداز تھا، صاحب بہادر کہتے وقت اس کا اوپر کا مونچھوں بھرا ہونٹ نیچے کی طرف کھنچ گیا۔ اور پاس ہی گال کے اس طرف جو مدھم سی لکیر ناک کے نتھنے سے ٹھوڑی کے بالائی حصے تک چلی آ رہی تھی، ایک لرزش کے ساتھ گہری ہو گئی، گویا کسی نے نوکیلے چاقو سے شیشم کی سانولی لکڑی میں دھاری ڈال دی ہے۔ اس کا سارا چہرہ ہنس رہا تھا، اور اپنے اندر اس نے اس ""گورے"" کو سینے کی آگ میں جلا کر بھسم کر ڈالا تھا۔""

❖ افسانہ

لغت میں افسانہ ایک جھوٹی کہانی کو کہتے ہیں۔ ادبی اصطلاح میں یہ ایک ایسی کہانی ہوتی ہے جو زندگی کا ایک جزو پیش کرتی ہے۔ افسانہ: اختصار اور وحدت تاثر کی حامل بھی ایک کہانی ہوتی ہے۔ افسانہ یا مختصر افسانہ کم سے کم آدھے گھنٹے میں پڑھا جانے والا ایسا قصہ ہوتا ہے جس میں کسی ایک واقعے یا زندگی کے کسی ایک پہلو کو اختصار اور دل چسپی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ افسانے کے اجزائے ترکیبی میں: پلاٹ، کردار، نقطہ نظر یا مرکزی خیال، مکالمہ، آغاز و اختتام اور اسلوب بیان شامل ہیں۔

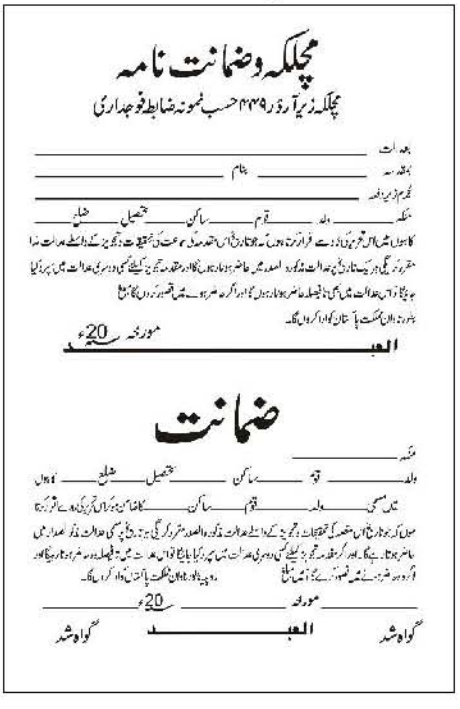

افسانہ ""نیا قانون"" آپ نے پڑھا، اس افسانے میں منٹو نے بڑی خوب صورتی سے اپنے عہد کے سیاسی منظر نامے اور عوامی جذبات کو موضوع بنایا ہے۔ استاد محترم/استانی صاحبہ کی رہنمائی میں اس افسانے کے اجزا اور ادبی محاسن کو شناخت کرنے کی مشق کریں۔

۴۔ انٹرنیٹ سے مختلف اداروں کی ویب سائٹس سے مختلف مقاصد کے لیے مرتب دفتری و عدالتی مواد (مختلف فارم، رجسٹری برائے کرایہ، تقرر نامے، ملازمت کی درخواست، نکاح نامہ، عرضی، عدالتی حکم نامے، ضمانتی مچلکے وغیرہ) ڈاؤن لوڈ کریں اور ان کے متن کو پڑھیں تاکہ مقصدِ تحریر کی اہمیت سے واقف ہو سکیں۔ نمونے کے طور پر ایک عدد درخواست برائے ملازمت اور ضمانتی مچلکہ دیا جا رہا ہے۔

National Book Foundation

۵۔افسانہ ''نیا قانون'' پڑھنے کے بعد سعادت حسن منٹو کا افسانہ ''تماشا'' بھی پڑھیں اور استادِ محترم/استانی صاحبہ کی رہ نمائی میں سعادت حسن منٹو کے طرزِ تحریر پر تبصرہ کریں۔

۶۔افسانہ ''نیا قانون'' اور ''تماشا'' کے اجزا اور ادبی محاسن کی شناخت کرتے ہوئے دیگر طلبہ کے سامنے بیان کریں۔

۷۔افسانہ ''تماشا'' اور نیا قانون'' کو پڑھ کر ان میں درج معلومات اور تصورات کی پیش کش پر تبصرہ کرتے ہوئے قارئین پر ان کے اثرات کا تجزیہ پیش کریں۔

۸۔مترادف الفاظ

ایسے الفاظ جن کے معانی ایک جیسے ہوں، مترادف الفاظ کہلاتے ہیں: مثلاً: شب سے رات، آدمی سے انسان

❖ درج ذیل الفاظ میں سے باہم مترادف کی شناخت کریں اور اُن کے جملے تحریر کریں۔

بہادر　　خیال　　شجر　　آغاز　　آسان　　پرانا

سرگرمی

استاد محترم/استانی صاحبہ کی نگرانی اور رہ نمائی میں جماعت کے طلبہ اس افسانے کی ڈرامائی تشکیل کریں اور یوم آزادی کی تقریب میں ڈرامے کے طور پر پیش کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو مختلف اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی امور کے متعلق آگاہ کریں۔
- طلبہ کو مختلف مباحثوں، سیمیناروں یا مذاکروں میں شرکت کے اصول و ضوابط اور آداب کی آگاہی دیں۔
- طلبہ کو کالم، خبر، رپورٹ، تبصرہ، تذکرہ اور تجزیہ کے تصور اور فرق سے آگاہ کریں تاکہ طلبہ کسی بھی رسمی یا غیر رسمی تحریر، دعوت نامے، تہنیت نامے کو تیار کر سکیں۔

National Book Foundation

امر جلیل (پیدائش ۱۹۳۶ء)

۳ تاریخ کا کفن

اس سبق کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظم و نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف / شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- اپنی گفتگو میں جذبے اور تاثر کے حوالے سے شدت اور لہجے کے زیر و بم کا لحاظ رکھ کر ڈرامائی کیفیات ادا کر سکیں۔
- افسانوی اور غیر افسانوی انتخاب پڑھ کر اس میں موجود معلومات اخذ کرتے ہوئے استعمال کر سکیں۔
- مختلف نثری اصنافِ ادب (کہانی، داستان، افسانہ، ڈراما اور ناول) پڑھ کر ان کے ادبی اسلوب میں امتیاز کر سکیں۔
- افسانوی و غیر افسانوی متن میں شامل مانوس غیر مانوس الفاظ و تراکیب، محاورات، ضرب الامثال، مترادفات اور مرکبات پر مشتمل فقرات سمجھ کر بر محل استعمال کر سکیں۔
- منتخب اقتباسات کی تلخیص نویسی کر سکیں۔
- مختلف ادبی شخصیات کی مرقع نگاری کر سکیں۔
- تراکیب لفظی کی شناخت کر سکیں اور اہمیت کو سمجھتے ہوئے اپنی تحریر میں استعمال کر سکیں۔

پڑھیں

عید نماز شروع ہونے سے کچھ دیر پہلے ایک کالا کلوٹا شیدی، جس کے بال خشک، آنکھیں بنجر، بدن نحیف و نزار اور کپڑوں کے نام پر چیتھڑے پہنے ہوئے تھے؛ وہ نمازیوں کی آخری صف سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ادھیڑ عمر کا طویل قامت شخص تھا۔ اس کے کندھے صلیب کی طرح سیدھے اور سینہ چوڑا تھا۔ اس کی پُشت زندگی کا بوجھ اُٹھاتے، برداشت کرتے کمان بن چکی تھی۔ اس نے لمبی سانس کھینچ کر ایک اڑتی نگاہ عید گاہ پر ڈالی۔

پوری عید گاہ کراچی کے بھانت بھانت کے لوگوں سے اَٹی پڑی تھی۔ قطاریں شمار سے باہر، نمازی بے انداز! کچھ کے کپڑوں کے جوڑے نئے، کچھ کے دُھلے ہوئے، کچھ کے اُجلے! رنگ اتنے سارے کہ جیسے آسمان سے رنگوں کی دھنک زمین پر اُتر آئی ہو۔ عید نماز شروع ہونے میں چند لمحات باقی تھے۔ مُلّا بے حد عقیدت اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ تاریخِ اسلامی کے اوراق پلٹ رہا تھا۔ وہ کبھی بانہیں اوپر اٹھا کر تو کبھی نیچے کر کے، آواز کے زیر و بم کے ساتھ، کبھی سیدھے سُبھاؤ تو کبھی سُر میں بولتے ہوئے؛ لوگوں کے جذبہ ایمانی کو بیدار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لوگ مؤدب بیٹھے ہوئے تھے اور دورانِ وعظ کبھی کبھار اونگھ بھی لیتے تھے۔ ان کی نگاہیں اپنے اپنے مصلوں کے آگے رکھے جُوتوں پر تھیں۔ کچھ جُوتے نئے، کچھ پُرانے اور پھٹے ہوئے تھے۔ بُوٹوں، سلیپروں، سینڈلوں اور چپلوں کے تلوے تلووں سے ملے ہوئے تھے اور جائے سجدہ سے انچ بھر دور رکھے ہوئے تھے۔ جو نمازی اپنے ساتھ ذوالجناح کی طرح سجے سنورے بچے لے آئے تھے، ان کی ایک آنکھ جُوتوں میں تو ایک بچوں میں گڑی ہوئی تھی۔ صحت مند مُلّا، صحت مند آواز میں وعظ کر رہا تھا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قہر اور عذابِ قبر کی باتیں بتا بتا کر ڈرا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ جوشِ ایمانی میں لاؤڈ سپیکر پھاڑ ڈالے گا۔

"آ بے بیٹھ جا!" کنگال قسم کے ایک دبلے پتلے شخص نے شیدی کا بازو پکڑتے ہوئے کہا، "کھڑے کیوں ہو؟ بندر یا بھاگ گئی ہے کیا؟"

National Book Foundation

شیدی نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جھٹکا دے کر، بازو چھڑا کر پچھلی صف سے نکل کر اگلی صف میں کھڑا ہو گیا۔

''اَبے! دور کر یہ اپنے توّے ایسے پاؤں۔'' شیدی کو کہنی مارتے ہوئے ایک چڑیا جتنے نوجوان نے کہا، ''آدمی ہو کہ تارکول ''

شیدی نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس قطار سے نکل کر اگلی میں کھڑا ہو گیا۔

''اوہو۔۔۔ بڑے احمق ہو تم بھی۔'' اُجلے سفید کپڑوں والے ایک شخص نے غصہ میں شیدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، ''شرم نہیں آئی میرے کورے پاجامے کے پائنچے پر پاؤں رکھتے ہوئے۔''

شیدی کی اداس آنکھوں میں پُراسرار روشنی اُبھر آئی تھی۔ اس نے اس بپھرے ہوئے شخص کے جملے کو سُنا اَن سُنا کر دیا۔ وہ قدم بڑھا کر اگلی قطار میں جا کھڑا ہوا۔

''خبردار!'' فرشتوں جیسے ایک شخص نے شیدی کی ٹانگ کی چٹکی کاٹتے ہوئے کہا، ''لاحول ولا! میرا دیئ کا مصلہ میلا کر دیا۔ آدمی ہو کہ ابنِ ابلیس! ''

شیدی نے چٹکی کی پروا نہیں کی اور نہ ہی فرشتوں ایسے شخص کے جملہ کی۔ اس کی اداس آنکھوں میں پُراسرار روشنی بڑھتی چلی گئی۔ وہ قدم بڑھا کر اگلی قطار میں جا کر کھڑا ہو گیا۔

''ارے او بن مانس!'' ایک نوجوان، جس نے بڑی محنت اور جفاکشی کے بعد اپنی چمکتی پیشانی پر بال سجا رکھے تھے، نے شیدی کو حقارت آمیز لہجہ میں کہا، ''چڑیا گھر سے پنجرہ توڑ کر بھاگے ہو کیا؟''

قریب بیٹھے کچھ ایکٹر چھاپ نوجوانوں نے قہقہہ لگایا۔ ایک بھینگے نوجوان نے اداکاروں ایسے لہجے میں کہا، ''لگتا ہے کہ افریقہ سے ہجرت کر آیا ہے۔''

ایکٹر چھاپ نوجوانوں کی ٹولی نے قہقہہ لگایا۔

ایک ادھیڑ عمر شخص، جو اونگھ رہا تھا، قہقہہ سن کر بیدار ہو گیا۔ اس نے گھٹنوں سے سر نکال کر نوجوانوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، ''اے لڑکو! تمیس مار خانی مت دکھاؤ، وعظ سننے دو۔''

'' چپ کر، ابابیل کے بچے!'' ایک نوجون نے فی البدیہہ جواب دیا۔ وہ شخص اُترا ہوا چہرہ لے کر بیٹھ گیا۔

اس دوران شیدی وہ قطار چھوڑ کر اگلی قطار میں جا کھڑا ہوا۔

''ارے اِدھر آگے کہاں آ رہے ہو؟'' چار پانچ آدمیوں نے اسے روک لیا۔ انھوں نے اس کے پھٹے پرانے کپڑوں اور ناتواں بدن کو دیکھ کر کہا، ''یہاں شیرینی بٹ رہی ہے کیا؟''

شیدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھیں اگلی قطار پر گڑی ہوئی تھیں۔

''پیچھے جاؤ، اے توّے کے بھائی! پیچھے جاؤ۔''

''دور ہٹو۔''

''بھاگ جاؤ۔''

''خبردار جو آگے آئے!''

شیدی نے انھیں جواب نہیں دیا نہ ہی گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھا۔ پراسرار روشنی واضح طور پر اس کی آنکھوں میں چمک رہی تھی۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ وہ قدم اٹھاتا، چھلانگیں مارتا، نمازیوں کی دو چار قطاریں پھلانگ گیا۔

لوگوں میں کھلبلی مچ گئی۔ جو اونگھ رہے تھے وہ بیدار ہو کر بیٹھ گئے۔ جو بیدار تھے اور کانوں سے وعظ سن رہے تھے اور آنکھوں سے اپنے جُوتوں اور بچوں کی نگہداشت کر رہے تھے، وہ شتر مرغ کی طرح گردنیں پھیر کر شیدی کی طرف دیکھنے لگے۔ انھوں نے جب شور سُنا تو جھپٹ کر اپنے اپنے جُوتے اٹھا لیے اور

National Book Foundation

بچوں کو کھینچ کر گود میں بٹھالیا۔

کچھ پُر حشمت، بہادروں اور نڈروں نے شیدی کو قابو میں کر لیا۔

''پکڑنا۔''

''مت چھوڑنا۔''

''خوب مرمت کرنا۔''

شور وغل بڑھ گیا۔ مُلّا نے وعظ بند کر دیا اور منبر کے سب سے اونچے زینہ پر چڑھ کر تماشا دیکھنے لگا۔ تمام مخلوق کا دھیان شیدی کی طرف ہو گیا۔ کئی انواع کے لوگ، کئی اقسام کے لہجے، بھانت بھانت کی بولیاں۔۔۔ لیکن مفہوم سب کا ایک جیسا۔۔۔

''چور ہے۔''

''چور نہیں ہے، جیب کترا ہے، بشنی ہے۔''

''برابر، برابر۔''

''ضرور کسی مومن کی جیب خالی کر لی ہو گی۔''

''شکل سے ہی چور کا پُتر دکھائی پڑتا ہے۔''

''جُوتوں کا چور ہے۔''

''قابو کرنا۔''

''پکڑنا۔''

''بھاگنے مت دینا۔''

''جلدی کرنا۔''

''چور ہے۔''

''جیب کترا ہے۔''

''بدمعاش ہے۔''

''شُہدا ہے۔''

ایک شخص ہجوم سے راستہ بناتا، ہلہ بولتا، آگے بڑھ آیا۔ اس کے ہونٹ پتلے اور خشک، آنکھیں مچمچی اور بے رونق اور بال اُجڑے ہوئے تھے۔ اس نے لوگوں سے بلند آواز میں کہا، ''میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ چور نہیں نہ ہی جیب کترا اور نہ ہی لفنگا ہے۔ یہ صرف شیدی ہے۔''

جس نیک بندے کا ہاتھ شیدی کی گردن میں تھا، اس نے ایک نگاہ میں نووارد کا جائزہ لیتے ہوئے طنزیہ انداز میں پوچھا، ''اور تم کون ہو؟''

اس نے جواب دیا، ''میں ماموں خاں موچی ہوں۔''

''بھاگ جا، موچی! تو جا کر پھٹے پرانے جُوتوں کی مرمت کر۔'' نیک صورت اور نیک سیرت شخص نے کہا، ''ہم خود ہی اس کی خبر لیں گے۔''

ماموں خاں موچی دھکے ٹھڈے کھا کر منظر سے غائب ہو گیا۔

اور پھر بڑی دیر تک بلند آواز میں جملے ایک دوسرے سے اُلجھتے رہے۔۔۔

''مارو، مارو۔''

National Book Foundation

''ٹھکائی اچھی طرح کرو۔''

''پہلے اس کی تلاشی لو۔''

''نماز میں رخنہ مت ڈالو۔''

''درخت سے باندھ دو۔''

''نماز کے بعد منہ کالا کر کے، گدھے پر بٹھا کر اس کا جلوس نکالا جائے گا۔''

''ٹھیک ہے، یہ بہت بڑا اور اہم مسئلہ ہے۔''

''اس کے منہ پر کالک کی بجائے چُونے کی سفیدی پھیریں گے۔''

''ہر گز نہیں، چور کا منہ ہمیشہ کالا ہوتا ہے۔''

''اس مسئلے پر لوگوں سے ووٹ لیا جائے۔''

''ووٹ لینے کا وقت نہیں ہے۔''

لوگ آپس میں بحث مباحثہ کرنے لگے۔ وہ ایک دوسرے سے لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ شور وغل بڑھ گیا۔ لوگ شیدی کے حشر کے متعلق کسی ایک فیصلے پر نہیں پہنچ سکے۔

پہلی قطار میں ملک کی نامی گرامی اور جانی پہچانی شخصیت، ہر دل عزیز، مشہور و معروف جناب محمود صاحب موجود تھے۔ لوگوں کو محمود صاحب کی حفاظت کی فکر لاحق ہو گئی۔ وہ محمود صاحب کے لیے پریشان ہونے لگے۔ ہجوم میں سے کسی نے بلند آواز، چیختے ہوئے کہا، ''کالا شیدی پہلی قطار کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ بدبخت ضرور کسی دشمن ملک کا ایجنٹ ہے، اور محمود صاحب کو قتل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔''

اس نئے انکشاف پر لوگ حواس باختہ ہو گئے۔

اچانک شیدی نے چھلانگ لگائی۔ وہ چیتے کی طرح چھال مارتا، بڑے بڑے ڈگ بھرتا، لوگوں، مصلوں، جُوتوں اور چپلوں کی کئی قطاریں پھلانگ گیا۔ پہلی صف میں محمود صاحب کے ساتھ شہر کے لائق افسران، صنعت کار، تاجر اور بینکر کندھے سے کندھا ملا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ گردنیں جھکائے اور دوزانو بیٹھے ہوئے تھے اور اخباری فوٹو گرافروں سے تصاویر کھنچوا رہے تھے۔ پہلی صف کے عین عقب میں، محمود صاحب کی حفاظت کے لیے سادہ کپڑوں میں حفاظتی عملہ کے برجستہ اور طاقت ور ارکان بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بہ ظاہر نماز پڑھنے اور اللہ کی عظمت کے سامنے سر بہ سجود ہونے آئے تھے، لیکن دراصل وہ محمود صاحب کی حفاظت کے لیے وہاں موجود تھے، اور نئی صورت حال کے باعث چوکس ہو رہے تھے۔ ان کے نیفوں میں خطرناک اسلحہ چھپا ہوا تھا، اس لیے وہ بیٹھنے میں دشواری محسوس کر رہے تھے۔

شیدی جب اچھلتا، چھلانگیں مارتا، دوسری صف پھلانگ کر پہلی صف کی طرف بڑھنے لگا، تب اسے حفاظتی عملے کے عقابوں نے جھپٹ کر قابو کر لیا۔ وہ پلک جھپکنے میں ہی اسے لاتیں، ٹھڈے، مکے اور گھونسے مارتے، عید گاہ سے باہر لے گئے۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

لاؤڈ سپیکروں سے مُلّا کی آواز گونجنے لگی۔ وہ دونوں ہاتھ عرش کی طرف اٹھا کر، عاجزی، انکساری کے ساتھ اور مترنم انداز میں اللہ تعالیٰ سے محمود صاحب کی درازی عمر کی دعا مانگنے لگا۔

لوگوں کا خیال بدل گیا۔ وہ شیدی کو بھول کر پہلے محمود صاحب کی طویل عمری کی دعائیں مانگنے اور پھر وعظ سننے لگے۔ انھوں نے اپنے نئے پرانے بوٹ اور چپل سجدہ گاہ سے انچ بھر کی دوری پر رکھے تھے۔

عید گاہ سے باہر ایک علیحدہ جگہ میں حفاظتی عملے کے ایک بڑے افسر نے بید کی چھڑی کے پے در پے وار کرتے ہوئے شیدی سے پوچھا، ''بتاؤ، جواب دو۔

National Book Foundation

تم کس نیّت سے پہلی صف کی طرف بڑھ رہے تھے ؟''

مکوں، گھونسوں اور تھپڑوں کے سبب شیدی کا پورا چہرہ خونم خون ہو گیا تھا۔ اس کا منہ خون سے بھرا ہوا تھا۔ وہ کوئی بھی جواب نہ دے سکا۔

''جواب دو۔'' پھر لاتیں اور مکے، چہرے پر گھونسے اور پنڈلیوں پر لانگ بُوٹوں کی ٹھوکریں لگیں، ''جواب دو، کس کے ایجنٹ ہو؟ کس نیّت سے آگے بڑھ رہے تھے ؟''

شیدی کی ناک سے خون کے ریلے بہنے لگے۔ پیٹ اور کوکھ اور پسلیوں پر لاتیں پڑنے کے باعث اس کا جوڑ جوڑ اُکھڑ گیا۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

''پہلی قطار کی طرف کیوں اور کس نیّت سے بڑھ رہے تھے ؟'' عملدار نے اسے پیٹ پر لات اور گردن پر مکا مارتے ہوئے پوچھا، ''جواب دو، کس ارادے سے پہلی صف کی طرف بڑھ رہے تھے ؟''

شیدی نے خون کی کُلی کر کے، منہ کو پھٹی قمیض کے بازو سے پونچھ لیا۔ اس کے کٹے پھٹے ہونٹ کانپنے لگے۔ اس نے کمزور آواز میں کہا، ''میں پہلی صف میں کھڑا ہو کر نماز پڑھوں گا۔''

حفاظتی عملے کے چاق و چوبند جوان شیدی کا جواب سن کر کچھ کچھ پریشان ہو گئے۔ پھر، اس کے خراب حال اور سادہ شکل و صورت دیکھ کر ''کڑکڑ'' قہقہے لگانے لگے۔ کسی نے کہا، ''ارے ! تم پہلی قطار میں کھڑے ہو کر نماز پڑھو گے ؟''

ان میں سے ایک نے زوردار مکا شیدی کی پیشانی پر ناک کے قریب جمایا اور کہا، ''تم جھوٹ بولتے ہو۔''

پورا ماحول شیدی کی نگاہوں کے سامنے زیر و زبر ہونے لگا۔ اس کی سانس سینہ میں دھڑکنے کی بجائے تڑپنے لگی۔ سانس بند ہونے لگی۔ ناک، منہ اور کانوں سے خون رستا، بہتا رہا۔ اس نے شکستہ لہجہ میں کہا، ''میں پہلی قطار میں کھڑا ہو کر نماز پڑھوں گا۔''

حفاظتی عملے کے ایک تنومند نوجوان نے شیدی کے سینے پر گھونسے کا بھرپور وار کیا اور پھر اسے گالی دیتے ہوئے کہا، ''ڈرامہ کرتے ہو، سُوَر کے بچے ! ہم تمھیں پہچان گئے ہیں۔ تم غیر ملکی ایجنٹ ہو۔''

شیدی مکا کھا کر پیچھے ہٹ گیا، جا کر دیوار سے لگا۔

''بتاؤ !'' پھر لاٹھیاں برسنے لگیں، ''بتاؤ، کس کے ایجنٹ ہو؟''

''میں ایجنٹ نہیں ہوں۔'' شیدی بُجھنے لگا، اس نے ٹوٹتے بکھرتے ہوئے کہا، ''میں پہلی صف میں کھڑا ہو کر نماز پڑھوں گا۔''

''اَبے لنگور !'' ایک موٹے تگڑے اہلکار نے اسے تھپڑ مارتے ہوئے کہا، ''زندگی بھر کبھی آئینہ دیکھا ہے ! چلا ہے پُتر پہلی قطار میں نماز پڑھنے ! ''

شیدی کی سانسوں کا سلسلہ اس کی ناک سے بہتے خون کے سبب ٹوٹنے لگا۔ اس نے کہا، ''میں پہلی قطار میں کھڑا ہو کر نماز پڑھوں گا۔''

''ابے اونٹ کے بچے !'' موٹے تگڑے عملدار نے کہا، ''شہر کے معزز لوگ محمود صاحب کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے پہلی صف میں موجود ہیں۔ تم پہلی میں صف کیسے نماز پڑھو گے ؟''

شیدی نے نحیف آواز میں کہا، ''میں بھی پہلی صف میں محمود صاحب کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز پڑھوں گا۔''

حفاظتی عملے کے تنخواہ داروں نے خوب قہقہے لگائے۔ ایک نے کہا، ''اس کا دماغ ٹھکانے نہیں ہے۔''

''بہروپیا ہے۔'' بڑے افسر نے اپنے عملے کو حکم دیتے ہوئے کہا، ''اس سے پوچھو کہ یہ کون ہے اور محمود صاحب کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا ڈھونگ کیوں کر رہا ہے ؟''

National Book Foundation

پھر جو درگت بنانا ان کے حافظہ میں محفوظ تھا، وہ درگت انھوں نے شیدی کی بنائی۔ لاتیں، مکے اور گھونسے مار مار کر اسے آدھ موا کر دیا۔ شیدی فرش گزیں ہو گیا۔ انھوں نے اسے پھر اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر اسے ہوش میں لے آئے۔ شیدی نے خون آلود آنکھیں کھول کر حفاظتی عملے کی طرف دیکھا۔

چاق و چوبند افسر نے اس کے بالوں کو مٹھی میں پکڑتے ہوئے کہا، ''بتاؤ، تم کون ہو؟ محمود صاحب کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز کیوں پڑھنا چاہتے ہو؟'' شیدی بجھنے لگا۔ ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں پُراسرار روشنی لوٹ آئی۔ اس نے ٹوٹے پھوٹے لہجے میں کہا، ''میں ایاز ہوں۔ میں ایک ہی صف میں کھڑا ہو کر محمود کے ساتھ نماز پڑھوں گا۔''

(تاریخ کا کفن)

امر جلیل (پیدائش ۱۹۳۶ء)

اصل نام قاضی عبدالجلیل ہے۔ صوبہ سندھ کے شہر روہڑی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کراچی اور پھر نواب شاہ سے بی اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد جامعہ کراچی سے اقتصادیات اور تاریخ کے مضامین میں ایم اے کیا۔ سندھی اور اردو زبان میں کہانیاں، مضامین، کالم اور ڈرامے لکھ کر شہرت حاصل کی۔ سٹیج کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلی وژن کے لیے بھی ڈرامے تحریر کیے۔ ریڈیو پاکستان کراچی اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، سندھی لینگویج اتھارٹی میں اعلیٰ عہدوں پر خدمات سرانجام دیں۔

امر جلیل نے اپنی کہانیوں میں معاشرتی خامیوں کی نشان دہی اور اصلاح کی ذمہ داری سرانجام دی۔ امر جلیل نے سندھی میں سینکڑوں مختصر کہانیاں تحریر کی ہیں۔ آپ کی ادبی خدمات کے صلے میں آپ کو تمغائے حُسن کارکردگی سے بھی نوازا گیا۔ امر جلیل کی تاریخ کا کفن سمیت درجن کے قریب، تصانیف زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر عوام و خواص کے علمی ادبی حلقوں سے داد و تحسین وصول کر چکی ہیں۔

مشق

ا۔ مصنف کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی درج ذیل سوالات کے جواب دیں۔

الف۔ امر جلیل کی ابتدائی تعلم کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

ب۔ امر جلیل کی تخلیقات کے عمومی موضوعات کیا ہیں؟

ج۔ شیدی پہلی صف میں جانے کی کوشش کیوں کر رہا تھا؟

د۔ اس جملے کی وضاحت کریں: ''میں ایاز ہوں، میں ایک ہی صف میں کھڑا ہو کر محمود کے ساتھ نماز پڑھوں گا۔''

و۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ شیدی کی جگہ اگر کوئی امیر کبیر شخص نماز کی صفوں کو چیرتا آگے بڑھ رہا ہوتا تو عوام کا ردعمل ایسا ہی ہوتا۔

ہ۔ ماموں خان موچی نے کس حقیقت سے پردہ اٹھایا؟

❖ پہلی قطار میں ملک کی نامی گرامی اور جانی پہچانی شخصیت، ہر دل عزیز، مشہور و معروف جناب محمود صاحب موجود تھے۔ لوگوں کو محمود صاحب کی حفاظت کی فکر لاحق ہو گئی۔ وہ محمود صاحب کے لیے پریشان ہونے لگے۔ ہجوم میں سے کسی نے بلند آواز، چیختے ہوئے کہا، ''کالا شیدی پہلی قطار کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ بدبخت ضرور کسی دشمن ملک کا ایجنٹ ہے اور محمود صاحب کو قتل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔'' اس نئے انکشاف پر لوگ حواس باختہ ہو گئے۔ اچانک شیدی نے چھلانگ لگائی۔ وہ چیتے کی طرح چھال مارتا، بڑے بڑے ڈگ بھرتا، لوگوں، مصلوں، جُوتوں اور چپلوں کی کئی قطاریں پھلانگ گیا۔ پہلی صف میں محمود کے ساتھ شہر کے لائق افسران، صنعت کار، تاجر اور بینکر کندھے سے کندھا ملا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ گردنیں جھکائے اور دوزانو بیٹھے ہوئے تھے اور اخباری فوٹو گرافروں سے تصاویر کھنچوا رہے تھے۔ پہلی صف کے عین عقب میں، محمود صاحب کی حفاظت کے لیے سادہ کپڑوں میں حفاظتی عملے کے برجستہ اور طاقت ور ارکان بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بہ ظاہر نماز پڑھنے اور اللہ کی عظمت کے سامنے سربہ سجود ہونے

National Book Foundation

آئے تھے، لیکن دراصل وہ محمود صاحب کی حفاظت کے لیے وہاں موجود تھے اور نئی صورت حال کے باعث چوکس ہو رہے تھے۔ ان کے نیفوں میں خطرناک اسلحہ چھپا ہوا تھا، اس لیے وہ بیٹھنے میں دشواری محسوس کر رہے تھے۔

۲۔ سبق کا درج بالا حصہ سُن کر اپنے حافظے سے تسلسل کے ساتھ افسانے کی پوری کہانی کے اہم نکات بتائیں۔

۳۔ درج ذیل اقتباس کو اس انداز سے ادا کریں کہ جذبے اور تاثر کے حوالے سے شدت اور لہجے کے زیر و بم کا لحاظ رکھتے ہوئے ڈرامائی کیفیات ادا ہو سکیں۔ اور پھر بڑی دیر تک بلند آواز میں جملے ایک دوسرے سے اُلجھتے رہے۔۔۔

''مارو، مارو۔''

''ٹھکائی اچھی طرح کرو۔''

''پہلے اس کی تلاشی لو۔''

''نماز میں رخنہ مت ڈالو۔''

''درخت سے باندھ دو۔''

''نماز کے بعد منہ کالا کر کے، گدھے پر بٹھا کر اس کا جلوس نکالا جائے گا۔''

''ٹھیک ہے، یہ بہت بڑا اور اہم مسئلہ ہے۔''

''اس کے منہ پر کالک کی بجائے چُونے کی سفیدی پھیریں گے۔''

''ہر گز نہیں، چور کا منہ ہمیشہ کالا ہوتا ہے۔''

''اس مسئلے پر لوگوں سے ووٹ لیا جائے۔''

''ووٹ لینے کا وقت نہیں ہے۔''

۴۔ امر جلیل کے افسانوں کی کتاب 'تاریخ کا کفن' کے تمام افسانوں کا مطالعہ کریں بالخصوص افسانے 'تاریخ کا کفن' کو غور سے پڑھیں اور اس کے فہم کا اظہار کرتے ہوئے ذاتی اور معاشرتی زندگی سے تعلق قائم کریں کہ اگر ہمیں اس طرح کی صورت حال درپیش آجائے تو ہمارا ردعمل کیا ہوگا؟ نیز اس افسانے کو پڑھتے ہوئے امر جلیل کے ادبی اسلوب اور اس کے امتیاز کا فہم حاصل کریں اور اسے دیگر ساتھی طلبہ کے سامنے بیان کریں۔

۵۔ افسانہ ''تاریخ کا کفن'' آپ نے پڑھا۔ اس میں موجود مندرجہ ذیل معلومات اخذ کر کے، انھیں اپنے الفاظ میں لکھیں۔

الف۔ لوگوں کے جمع ہونے کی وجہ

ب۔ لوگوں کے لباس کے مختلف رنگ

ج۔ شیدی کے حوالے سے ایکسٹرا اچھاپ، نوجوانوں، ادھیر عمر شخص۔

د۔ ماموں خان موچی اور حفاظتی عملے کا ردِ عمل

ہ۔ نمازیوں کا جائے نماز کے قریب جوتے رکھنے کی وجہ۔

۶۔ افسانہ ''تاریخ کا کفن''، نیا قانون اور سیرت نگاری پر مشتمل سبق ''اخلاقِ حسنہ'' میں مصنفین نے عوامی رنگ کے بہت سے مانوس و نامانوس الفاظ و

National Book Foundation

تراکیب، محاورات، ضرب الامثال، مترادفات اور مرکبات استعمال کیے ہیں۔ درج ذیل الفاظ و تراکیب، محاورات اور مرکبات کو استاد محترم/استانی صاحبہ سے انھیں سمجھنے کی اور بر محل استعمال کرنے کی کوشش کریں:

خدمت اقدس، استہزا، ردائے مبارک، ظلم ڈھانا، ناک میں دم کرنا، ایک دھیے کی مار ہونا، ہت تیری ایسی تیسی، ٹوڈی بچہ، اکڑفوں، اڑتی نگاہ ڈالنا، بھانت بھانت کے، چٹکی کاٹنا، ایکٹر چھاپ نوجوانوں کی ٹولی، بشنی، لفنگا، فرش گزیں ہونا

۷۔ امر جلیل کا افسانہ "تاریخ کا کفن" کے اجزا اور ادبی محاسن کی شناخت کریں۔

❖ تلخیص نگاری

تلخیص: تلخیص کا مطلب کسی طویل عبارت کو اختصار کے ساتھ اس طرح لکھنا کہ اس کا کوئی اہم نکتہ چھوٹنے نہ پائے۔ تلخیص کی طوالت، عام طور پر اصل عبارت سے کم یعنی ایک تہائی ہوتی ہے۔ تلخیص میں اصل عبارت کے اسلوب کو قائم رکھنا غیر ضروری ہوتا ہے، اسے اپنے انداز سے اور الفاظ میں لکھنا چاہیے۔ اصل عبارت میں دی گئی معلومات اور واقعات کی ترتیب بھی برقرار رکھنی چاہیے۔ تلخیص کے دوران اصل عبارت کے اہم نکات میں ترمیم، اضافہ، کمی یا بیشی نہیں کی جاسکتی۔ اگر عبارت متعدد پیراگرافوں پر مشتمل ہو تو تلخیص ایک ہی پیرے میں لکھی جائے گی۔ تلخیص میں طویل جملوں کی بجائے مختصر جملے لکھے جاتے ہیں۔

۸۔ درج ذیل عبارت کی تلخیص کریں۔

ایشیا کی تمام قومیں یہی سمجھتی رہی ہیں کہ اچھا بادشاہ ہی رعایا کی ترقی اور خوشی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یورپ کے لوگ جو ایشیا کے لوگوں سے زیادہ ترقی کر گئے تھے یہ سمجھتے تھے کہ ایک عمدہ انتظام قوم کی عزت، بھلائی و خوشی اور ترقی کا ذریعہ ہے خواہ وہ انتظام باہمی قوم کے رسم و رواج کا ہو یا گورنمنٹ کا اور یہی سبب ہے کہ یورپ کے لوگ قانون بنانے والی مجلسوں کو بہت بڑا ذریعہ انسان کی ترقی و بہبودی کا خیال کرتے، اُن کا درجہ سب سے اعلیٰ اور نہایت بیش بہا سمجھتے تھے مگر حقیقت میں یہ سب خیال غلط ہیں۔

۹۔ تراکیب لفظی

ترکیب لفظی کے معانی ہیں الفاظ کی ساخت، وضع یا بناوٹ، جملے کے اجزائے ترکیبی کا تجزیہ یعنی جملے کے ہر لفظ کی قواعدی حیثیت کا تعین کرنا بھی ترکیبِ لفظی کہلاتا ہے۔

تراکیبِ لفظی بنانے کی مختلف صورتیں ہیں

دو مفرد لفظوں کے درمیان زیر یا ہمزہ ڈال کر ایک نئی لفظی ترکیب بنانا جس کے معانی نئے ہوں۔

صبح	اور	بہار	سے	صبحِ بہار
قہر	اور	دارا	سے	قہرِ دارا

تراکیب صرف عربی اور فارسی الفاظ ہی سے بنتی ہیں، ہندی اور دیگر مقامی زبانوں سے لفظی ترکیب سازی ممکن نہیں ہوسکتی۔ ڑ، ٹ، ڈ اپنی اصل میں ہندی حروف ہیں۔ اسی طرح بھ، پھ، کھ، ٹھ وغیرہ بھی ہندی الاصل ہیں۔ لفظوں کا مآخذ لغات میں درج ہوتا ہے۔ اس اصول کے تحت "دھیانِ الفت" ایک غلط ترکیب لفظی ہوگی۔ دو سے زائد الفاظ ملا کر بھی تراکیب بنائی جاسکتی ہیں:

مثلاً: مرزا غالب کا شعر ہے:

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

اگر ترکیب لفظی میں دونوں الفاظ عربی زبان کے ہوں تو دونوں کے درمیان ''ال'' آئے گا۔ مثلاً: رب العالمین، سیرت النبی، ختم الرسل
ہندی اور دیگر مقامی میں الفاظ ساتھ تحریر ہوتے ہیں جیسے: تاریک رات، اندھیری کوٹھی، کالی آنکھیں، کڑوا پھل، آنکھ مچولی
تراکیب لفظی کے حوالے سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہر پندرہ بیس سال کے بعد لغت، از کارِ رفتہ ہو جاتی ہے۔ لفظ معانی بدل لیتے ہیں۔ نئے الفاظ، محاورات اور اصطلاحات آجاتی ہیں۔

❖ **درج بالا اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے دس تراکیبِ لفظی لکھ کر انھیں اپنے جملوں میں استعمال کریں۔**

۱۰۔ مختلف نثری اصنافِ ادب:

i۔ افسانہ:

لغت میں افسانہ ایک جھوٹی کہانی کو کہتے ہیں ادبی اصطلاح میں یہ ایک ایسی کہانی ہے جو زندگی کا ایک جُز و پیش کرتی ہے۔ افسانہ اختصار اور وحدت تاثر کی حامل ایک کہانی ہوتی ہے۔ افسانہ یا مختصر افسانہ کم سے کم آدھے گھنٹے میں پڑھا جانے والا ایسا قصہ ہوتا ہے جس میں کسی ایک واقعے یا زندگی کے کسی ایک پہلو کو اختصار اور دلچسپی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

افسانہ کے اجزائے ترکیبی: پلاٹ، کردار، نقطہ نظر یا مرکزی خیال، مکالمہ، آغاز و اختتام، اسلوب بیان

ii۔ ناول

ناول سے مراد سادہ زبان میں ایسی طویل کہانی ہے جس میں انسانی زندگی کے معمولی واقعات اور روزانہ پیش آنے والے معاملات کو اس انداز میں بیان کیا جائے کہ پڑھنے والے کو اس میں دلچسپی پیدا ہو۔ یہ دلچسپی پلاٹ، منظر نگاری، کردار نگاری اور مکالمہ نگاری سے پیدا کی جاتی ہے۔ ناول اس نثری قصے کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص نقطہ نظر کے تحت زندگی کی حقیقی اور واقعاتی عکاسی کی گئی ہو۔ ناول کا مرکزی کردار اس کا ہیرو ہوتا ہے۔ واقعات میں ایک تسلسل موجود ہوتا ہے۔ حقیقت نگاری اور صداقت بیانی اس کا خاصہ ہے۔ اس کا موضوع انسانی زندگی ہوتا ہے۔ یعنی انسانی زندگی کے حالات و واقعات اور معاملات کو انتہائی گہرے اور مکمل مشاہدے کے بعد کہانی کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔

ناول کے اجزا: ا۔ کہانی، ۲۔ پلاٹ، ۳۔ کردار، ۴۔ مکالمے

iii۔ ڈراما

ڈراما یونانی زبان کے لفظ ڈراؤ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی عمل کر کے دکھانا۔ ڈرامے کی ابتدا بھی یونان سے ہوئی۔ برصغیر میں بھی قدیم زمانوں سے ڈرامے کا سراغ ملتا ہے۔ راجہ بکرماجیت کے عہد کا لکھا ہوا ڈرامہ شکنتلا دنیا بھر میں بڑی شہرت رکھتا ہے۔ قدیم زمانے میں لوگ اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے ڈراما کھیلا کرتے تھے۔ مگر بعد میں ترقی کر کے فن کی منزل تک پہنچ گیا۔ ڈرامے کی دو مشہور اقسام ہیں۔

ا۔ طربیہ ڈراما: وہ ڈراما جس میں ہنسی اور مزاح کے ذریعے سماج کی کمزوریوں سے پردہ اٹھایا جائے۔

المیہ ڈراما: وہ ڈراما جس میں پیش آنے والے واقعات اندوہناک ہوں اور اس کا انجام المیہ ہو۔

National Book Foundation

ڈرامے کے اجزائے ترکیبی: پلاٹ، کردار نگاری، ارتقائی عمل، کشمکش، مکالمے، اسٹیج، حرکات و سکنات، اختتامی عمل

iv۔ خاکہ یا مرقع نگاری:

اس غیر افسانوی صنف میں کسی شخص کی شخصیت اور زندگی کے حقیقی خدوخال اور پہلوؤں کو اس طرح نمایاں کر کے تحریر کیا جاتا ہے کہ ایک دلچسپ انداز میں ایک جیتی جاگتی شخصیت کے افکار و خیالات، خوبیوں اور خامیوں کی تصویر کشی ہو جائے۔ خاکہ نگار اپنی تحریر کو پُر اثر بنانے کے لیے حقائق، واقعات اور مشاہدات کے ساتھ ساتھ ذاتی تاثرات بھی شامل کر لیتا ہے۔ اردو ادب میں مرزا فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، مولوی عبدالحق، شاہد احمد دہلوی، محمد طفیل، چراغ حسن حسرت اور دیگر نے خاکہ نگاری کی صنف میں نمایاں کام کیا ہے۔

کسی فرد کی شخصی خوبیوں کو دل چسپ اور ادبی پیرائے میں اس طرح بیان کرنا کہ قاری اس شخصیت کا مجموعی تاثر قبول کرے اور اس کے بارے میں رائے دینے کے قابل ہو جائے۔ مرقع نگاری کہلاتا ہے۔ شخصی خاکہ بھی اسی سے ملتی جلتی صنف ہے تاہم اُس میں تفصیلات بیان ہوتی ہیں۔

❖ **فرحت اللہ بیگ کا لکھا ہوا شخصی خاکہ "ایک وصیت کی تعمیل" پڑھیں اور مولوی وحیدالدین سلیم کی ادبی شخصیت کی مرقع نگاری کرنے کے لیے درج ذیل نکات کو پیش نظر رکھیں۔**

۱۔ مولوی صاحب کا باتونی پن۔

۲۔ مولوی صاحب کی کنجوسی

۳۔ مولوی صاحب کا دیکھ کر تقریر کرنے کا انداز

۴۔ اردو زبان کی اصطلاحات سازی

سرگرمی

۱۔ افسانہ "تاریخ کا کفن" کی ڈرامائی تشکیل کر کے اسے کالج ہال میں پیش کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- سبق خوانی سے قبل بچوں کو اردو میں افسانہ نگاری کی روایت سے اس طرح آگاہ کریں کہ امر جلیل کی افسانہ نگاری کے موضوعات اور پہلوؤں پر بھی روشنی پڑ جائے۔

National Book Foundation

امجد اسلام امجد (۱۹۴۴ء۔۲۰۲۳ء)

۴

دہلیز

اس سبق کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجہ، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھ سکیں۔
- کسی ڈرامے کو پڑھتے ہوئے اس میں موجود مکالمے کی ترتیب و پیش کش کو سمجھتے ہوئے ڈرامے پر اس کے اثر کا تجزیہ کر سکیں۔
- کہانی/مضمون/سفر نامے/افسانے، ڈرامے کے اجزا اور ادبی محاسن کو شناخت کر سکیں۔
- ڈیجیٹل لائبریری/لائبریری کی درجہ بندی اور فہرست کی ترتیب کو سمجھتے ہوئے اس کا استعمال کر سکیں۔
- ہدایات و اشارات کے مطابق کسی نادیدہ اقتباس (منظوم و منثور) کی تفہیم/تنقید و تجزیہ/تبصرہ کر سکیں۔
- متشابہات کو نظم/نثر کے ربط و تسلسل اور تاثر سے شناخت کرتے ہوئے اس کا بر محل استعمال کر سکیں۔
- سابقوں اور لاحقوں کا تحریر میں استعمال کر سکیں۔

شاملِ نصاب ڈرامے کے کردار

رحمان: احمد علی کے پلازے کا نقشہ فائنل کرنے والا

احمد علی: ایک کاروباری شخص جو ایک نئے پلازہ کی تعمیر کر رہا ہے

عابد: احمد علی کا بیٹا، جو ہر جائز ناجائز طریقے سے اپنے رشتے کے چچا فقیر علی کا مکان خالی کرانے کا خواہش مند

فقیر حسین: احمد علی کا رشتے کا بھائی، جس نے ساری زندگی قناعت اور خودداری میں گزاری اور کسی ناجائز بات پر سمجھوتہ نہیں کرتا۔

سعیدہ: فقیر حسین کی بیٹی۔

اختر: فورتھ ایئر کا طالب علم لیکن وسائل نہ ہونے کے باعث، کالج جانا چھوڑ دیتا ہے۔

(احمد علی شہر میں ایک نئے پلازے کی تعمیر کا تصوبہ بنا رہا ہے۔ رحمان اسے پلازے کے متعلق بریفنگ دینے آتا ہے۔ دوران گفتگو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگر پلازے سے ملحق مکان کی پانچ سو گز زمین میسر آجائے تو ایک عدد سنیما گراؤنڈ فلور پر تعمیر ہو جائے گا۔ اتفاق سے مطلوبہ زمین پر بنا مکان احمد علی کے قریبی عزیز فقیر حسین کا ہوتا ہے۔ احمد علی اپنے اس رشتے کے بھائی کے مزاج سے واقف ہے اس لیے معاملے کو صلح جوئی سے حل کرنے کی غرض سے برسوں بعد فقیر حسین کے گھر جاتا ہے جہاں اسے پتا چلتا ہے کہ فقیر حسین کا بیٹا مالی تنگ دستی کی وجہ سے پڑھائی چھوڑ چکا ہے۔ فقیر حسین اور اس کے اہل خانہ کو کھانے کی دعوت دے کر احمد علی گھر لوٹ آتا ہے۔ اس دوران احمد علی کا بیٹا عابد اپنی تمام تر ہٹ دھرمی، زور زبردستی سے مکان لینے ضد کرتا ہے۔ احمد علی اشاروں کنایوں میں فقیر حسین کو مکان بیچنے کا کہتا ہے اور بدلے میں شہر میں کسی بہتر جگہ پر رہائش کا بندوبست کرنے کی پیش کش کرتا ہے لیکن فقیر حسین کسی طور رضامند نہیں ہوتا۔)

National Book Foundation

رحمان: (ایک مقام پر انگلی رکھتے ہوئے) یہ دیکھیے یہ PASSAGE میں نے اس طرح رکھا ہے کہ ہر بلاک کا COVERED LAND بھی متاثر نہ ہو اور ہمیں ہر فلور پر ایک سو گاڑیوں کی پارکنگ بھی مل جائے۔

احمد: گُڈ

احمد علی سمجھنے کے انداز میں سر ہلاتا ہے۔

یہ انٹرنس ہے۔ یہاں سے اندر کی طرف تین ٹرن ہیں اور ہر ٹرن کے ساتھ پارکنگ ہے۔ اسی طرح تین ٹرن باہر کی طرف ہیں جو EXIT کے PASSAGE میں کھلتے ہیں۔ یوں سمجھیے کہ یہ ایک طرح سے ون وے ٹریفک سسٹم بن جائے گا۔

احمد: گُڈ!!

ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے

اچھا یہ کیفے ٹیریا اب یہاں آ گئے ہیں---- یہ بہتر ہے---- اب فاصلہ ہر طرف سے کم ہو گیا ہے

------ یہ سنیما کے لیے جگہ کچھ کم نہیں؟

رحمان: اس کے لیے میں نے بہت کوشش کی ہے احمد صاحب۔ سیکنڈ فلور پر اس سے زیادہ کی گنجائش ممکن نہیں اور یوں بھی میرے خیال میں سنیما گراؤنڈ فلور پر ہی ہونا چاہیے۔

احمد: تمھارا کیا خیال ہے عابد۔

عابد: رحمان صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں ڈیڈی۔۔۔ ایک تو ہماری پبلک ابھی اس طرح کے سینما کی عادی نہیں ہے۔ اور پھر سیکنڈ فلور پر سینما ہال بنانے سے پورے فلور کی مارکیٹ متاثر ہو گی۔

احمد: لیکن گراؤنڈ فلور پر سنیما کے لیے جگہ کیسے نکل سکتی ہے اصل FARNING تو یہیں سے ہونی ہے۔

رحمان: (نقشے کے کنارے پر انگلی رکھتے ہوئے) یہاں اگر مجھے پانچ سو گز زمین بھی مل جائے تو میں آپ کو سینما ہال گراؤنڈ فلور پر دے سکتا ہوں بغیر کسی چیز کو DISTURB کیے۔

احمد: (اشتیاق سے اسے دیکھتے ہوئے) کیسے؟

رحمان: یہ دیکھیے یہاں ہم نے پارکنگ کے لیے یہ بلاک چھوڑا ہے۔ اس کے ساتھ اگر یہ ٹکڑا اور مل جائے تو----- میرا خیال ہے کہ کام بن جائے گا۔

احمد: یہ گودام کا ایریا ہے نا------

رحمان: جی۔

احمد: اس کے ساتھ تو فقیر حسین کا مکان ہے۔

عابد: تو کیا ہوا؟ ان سے خالی کرا لیں گے۔

National Book Foundation

احمد: خالی: ہاں مگر----وہ ذرا خر دماغ قسم کا آدمی ہے۔

عابد: خر دماغ کو ہینڈل کرنا مجھے خوب آتا ہے۔آپ ان سے بات کریں اگر آرام سے مان جائے تو ٹھیک ہے ورنہ۔

رحمان اس کی طرف حیرت سے دیکھتا ہے۔

عابد بات کا انداز بدلتا ہے۔

میرا مطلب ہے اگر وہ عزیز رشتہ دار ہو کر ہمارا لحاظ نہیں کرتے تو ہمیں بھی حق ہے کہ------

رحمان: دیکھیے جناب اگر آپ Litigation کے چکر میں پڑ گئے تو بات لمبی ہو جائے گی۔

عابد: یہ جن کا مکان ہے ہمارے رشتے کے چچا ہوتے ہیں۔ان شا اللہ ہم کورٹ وغیرہ کے چکر میں پڑے بغیر ان سے معاملہ Settle کر لیں گے۔کیوں ڈیڈ؟؟؟

احمد: وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں پھر عرض کروں گا کہ کورٹ وغیرہ کے چکر میں نہ پڑیے گا۔زمین سے بے دخلی کے مقدمات برسوں تک چلتے رہتے ہیں۔

احمد: جی ہاں اس کا اندازہ ہے مجھے۔

رحمان: (نقشے وغیرہ سمیٹ کر بریف کیس اٹھاتا ہے)اچھا خدا حافظ۔

احمد: (دروازے تک ساتھ جاتے ہوئے)خدا حافظ۔

رحمان جاتا ہے۔احمد،عابد کی طرف مڑتا ہے،قریب آتا ہے۔

تمھیں رحمان کے سامنے یہ بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔

عابد: سوری ڈیڈی۔دراصل-----لیکن ایک بات طے ہے کہ چچا فقیر حسین کو وہ جگہ چھوڑنی ہو گی ہم انھیں اس کے بدلے میں------

احمد: تم فقیر حسین کو نہیں جانتے بیٹا۔وہ بہت عجیب قسم کا آدمی ہے۔اب دیکھو ساری عمر اس نے پوسٹ ماسٹری اور غربت میں گزار دی ہے لیکن آج تک کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔میرے پاس بھی کبھی نہیں آیا۔ایسے آدمی بہت مشکل ہوتے ہیں۔

عابد: آپ انھیں خواہ مخواہ اتنا Over Estimate کر رہے ہیں۔

احمد: تم تو اکثر گودام کی طرف جاتے ہو، کبھی ملے ہو اس سے۔

عابد: (نفی میں سر ہلاتے ہوئے)خالد بھائی البتہ کبھی کبھی جاتے ہیں اُن کی طرف۔

احمد: (سوچتے ہوئے)اچھا(عابد سے)تم اس سلسلے میں کوئی بات نہ کرنا۔یہ کام بہت احتیاط سے کرنے کا ہے۔

عابد ایسے انداز سے کندھے جھٹکتا ہے جیسے کہہ رہا ہو "آپ کی مرضی"

National Book Foundation

سین نمبر ۴

رات کا وقت

(فقیر حسین اپنے بستر میں لیٹا کچھ پڑھ رہا ہے۔ قریب ہی سعیدہ چارپائی کے آگے تپائی رکھے کسی کتاب سے کچھ پڑھ کر لکھتی ہے۔ چند لمحوں بعد دروازے پر دستک ہوتی ہے۔ دونوں حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ دوبارہ دستک کی آواز کے ساتھ ہی احمد علی کی آواز آتی ہے۔)

بھائی فقیر حسین!!!

(فقیر حسین دروازے کی طرف حیرت سے بڑھتا ہے دروازہ کھولتا ہے، احمد علی کو دیکھ کر مزید حیرت زدہ ہوتا ہے پھر گھبرا کر پوچھتا ہے۔)

فقیر حسین: کیا بات ہے احمد علی خیریت تو ہے؟

احمد علی: (قدرے پریشانی میں مسکراتے ہوئے) ہاں سب خیریت ہے۔ کیوں؟

فقیر حسین: آج شاید پندرہ بیس برس بعد تم نے اس دہلیز پر قدم رکھا ہے، میں تو ڈر گیا تھا کہ شاید----

احمد علی: اچھا اب زیادہ شرمندہ نہیں کرو تم کون سا آئے ہو میری طرف۔

سعیدہ: اٹھ کر قریب آتے ہوئے، اندر آیئے نا چچا جان۔

احمد علی: بھئی یہ تمھارا والد رستہ چھوڑے تو پھر ہے نا----مجھے لگتا ہے اسے میرا آنا اچھا ہی نہیں لگا۔

فقیر حسین: (جلدی سے پیچھے ہٹتے ہوئے) اوہ معاف کرنا۔ آؤ سعیدہ بیٹی!! اختر کے کمرے سے کرسی لے آؤ۔

احمد علی: ارے نہیں میں، یہیں بیٹھ جاتا ہوں تمھارے پاس۔

سعیدہ: جی۔

احمد علی: ماشاءاللہ کتنی بڑی ہو گئی ہو۔ خالد بتا رہا تھا کہ وہ تم لوگوں سے ملتا رہتا ہے۔ میں تو اس فیکٹری کی بک بک میں ایسا پڑا ہوں کی دین و دنیا سے گیا ہوں صبح سے رات تک کولہو کے بیل کی طرح کام کرنا پڑتا ہے۔۔۔۔ عزیز رشتہ داروں سے ملنے کا وقت نہیں ملتا۔

فقیر حسین: وقت ملتا نہیں احمد علی نکالا جاتا ہے۔ اللہ نے تمہیں اتنا دیا ہے کس لیے: کہ تم اسے احسن طریقے سے خرچ کرو تا کہ دین و دنیا دونوں میں تمھیں راحت نصیب ہو۔ لیکن تم ہندسوں کو ضربیں دینے کے چکر میں ایسے پڑے ہو کہ تمھیں اور کسی طرف دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔

سعیدہ: اوہو ابو!! احمد چچا اتنے برسوں کے بعد ہمارے گھر آئے ہیں اور آپ۔۔۔ کیا پئیں گے آپ؟

احمد علی: نہ بیٹی میں گھر سے کھانا کھا کے، چائے پی کے نکلا ہوں۔

فقیر حسین: ایک کپ ہی پی لو۔ مجھے یقین ہے سعیدہ تمھارے باورچی سے بہتر چائے بناتی ہے۔

احمد علی: پھر وہی۔ اچھا بابا پلوا دو۔ چینی نہیں ڈالنی بیٹی۔

سعیدہ (جاتے ہوئے) جی اچھا۔

National Book Foundation

چند لمحوں کی خاموشی۔احمد ایسے ہی کتاب الٹ پلٹ کر دیکھتا ہے۔

احمد علی: کیا پڑھ رہے ہو۔مجھے تو وقت ہی نہیں ملتا کچھ پڑھنے کا۔

فقیر حسین: حالاں کہ سکول کے زمانے میں تم ہم سب سے زیادہ کتابیں پڑھا کرتے تھے۔

احمد علی: (ہنستے ہوئے)شاید اسی لیے میرا کوٹہ تم سے پہلے ختم ہو گیا ہے۔بیٹا کدھر ہے تمھارا۔

فقیر حسین: کہیں گیا ہوا ہے؟

احمد علی: کس کلاس میں پڑھتا ہے۔اب ماشاءاللہ!!

فقیر حسین(ایک دم رنجیدہ سا ہو کر)فورتھ ائیر میں پڑھ رہا تھا۔اب چھوڑ دیا ہے۔

احمد: بھئی !اسے سمجھایا ہوتا تم نے۔تعلیم تو۔۔۔میرا خیال ہے بہت ضروری ہے۔

فقیر حسین: تمھارا کیا خیال ہے،میں نے نہیں سمجھایا ہو گا۔

احمد: ہاں۔وہ تو۔۔۔مگر۔۔۔۔وہ تو خاصا ذہین بچہ نہیں تھا؟ مجھے یاد پڑتا ہے ایک دو دفعہ اس کی تصویر بھی آئی تھی اخبار میں کسی DEBATE وغیرہ کے سلسلے میں؟؟

فقیر حسین: ہاں مگر اب پتہ نہیں اسے کیا ہو گیا ہے۔سارا سارا دن آوارہ گھومتا رہتا ہے۔

احمد: اسے میرے پاس بھجوا دو۔۔۔۔میں فیکٹری میں کہیں۔۔۔۔

(فقیر حسین کو متاثر دیکھ کر)

میرا مطلب ہے کسی اچھی جگہ پر لگا دوں گا۔

فقیر حسین: مجھے کچھ پتہ نہیں کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے اور ایسے میں اسے تمھارے پاس بھیج کر کوئی شکایت نہیں سننا چاہتا۔

احمد علی: دراصل یہ علاقہ بھی بہت فضول ہے۔اچھے علاقے اور اچھی صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے کردار پر۔

فقیر حسین: ہاں شاید۔

احمد علی: تم کسی بہتر علاقے میں کیوں نہیں شفٹ ہو جاتے۔

فقیر حسین: کیسی باتیں کرتے ہو۔اسی مکان کی آڑ میں تو میری سفید پوشی نبھ گئی ہے۔۔۔۔ورنہ میری تنخواہ تو۔۔۔۔۔اور اب تو دو مہینے بعد میں ریٹائر ہونے والا ہوں۔اس چھت کو چھوڑ کر کہاں جاؤں گا۔

احمد علی: میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اس مکان کو بیچ کر کسی بہتر آبادی میں مکان خرید لو۔۔۔اِدھر سیٹلائیٹ ٹاؤن وغیرہ میں۔

فقیر حسین: دراصل مجھے اس گھر کی عادت سی ہو گئی ہے۔۔۔۔۔۔تیس برس کا ساتھ ہے۔اس سے جُدا ہونے کا میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا۔

احمد: یہ تو بڑی بچگانہ سی جذباتیت ہے۔۔بہتر مستقبل کے لیے چند چھوٹی موٹی یادوں کو تو قربان کرنا ہی پڑتا ہے،نئے مکان تو ترقی کا زینہ ہوتے ہیں۔

National Book Foundation

فقیر حسین: یہ مکان نہیں ہے احمد علی، گھر ہے، میرا گھر، شہر کی زندگی اس کے مکانوں سے نہیں گھروں سے عبارت ہوتی ہے۔

احمد: (پریشان ہو کر ہنستے ہوئے) کتابیں پڑھ پڑھ کر تم فقرے بہت اچھے بولنے لگ گئے ہو۔

(سعیدہ ایک ٹرے میں چائے اور بسکٹوں کی پلیٹ لاتی ہے۔)

احمد: ارے بھئی یہ کیا ہے؟ میں نے صرف چائے کی حامی بھری تھی۔

سعیدہ: یہ بسکٹ میں نے خود بنائے ہیں۔ گھر میں، لیجیے۔۔۔ چکھیے تو سہی۔

فقیر حسین: سعیدہ کو بڑا شوق ہے ان باتوں کا۔۔۔ عجیب عجیب الٹی سیدھی چیزیں بناتی رہتی ہے اور ہر تجربے میں تختۂ مشق مجھے بننا پڑتا ہے۔

سعیدہ: (پیار بھرے شکوے سے) ابو!! اتنی انسلٹ (INSULT) تو نہ کیجیے میرے کھانوں کی۔

(احمد اور فقیر ہنستے ہیں۔ احمد ایک دم کسی سوچ میں پڑ جاتا ہے۔)

احمد: اچھا بھئی فقیر حسین۔ میں اب چلتا ہوں۔ پرسوں دوپہر کا کھانا تم سب لوگ میری طرف کھاؤ گے۔

فقیر حسین: کیا مطلب؟

احمد: کیوں؟

فقیر حسین: وہ اس لیے کہ۔۔۔ لاجواب سا ہو کر بات بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

احمد: بے کار کی ضد نہ کرو فقیر حسین۔ تم نے خواہ مخواہ اپنے گرد یہ تنہائی کی دیوار تان رکھی ہے۔ تمھارا میرا خون کا رشتہ ہے۔ میرے گھر آنے سے تمھاری عزت کچھ گھٹ نہیں جائے گی۔

فقیر حسین: نہیں یہ بات نہیں۔ دراصل۔۔۔

احمد: (اٹھتے ہوئے) پرسوں دوپہر ایک بجے۔۔۔ سعیدہ سے یہ تمھارے ذمے ہے بیٹی۔

سعیدہ: (حیرت سے) مم میں۔۔۔ میرے۔

احمد: (فقیر حسین) مجھے تم سے ایک اور بات بھی کرنی ہے۔ اب بھولنا نہیں۔ اچھا خدا حافظ۔

احمد جاتا ہے۔ دونوں باپ بیٹی چند لمحے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔)

سین نمبر ۶

(احمد علی کا ڈرائنگ روم۔)

(عابد علی اور احمد علی۔)

احمد: وہ لوگ آجائیں تو یوں سمجھو آدھا کام ہو گیا۔

National Book Foundation

عابد: آپ خواہ مخواہ انھیں اتنی Importance دے رہے ہیں۔ کیا ضرورت ہے اتنا لمبا چکر کاٹنے کی۔ اگر آرام سے جگہ خالی نہیں کرتے تو میرے پاس ایسا انتظام ہے کہ وہ ایک ہفتے میں تیر کی طرح سیدھے ہو جائیں گے اور کسی کو کانوں خبر نہیں ہو گی۔

احمد: ہر کام کرنے سے پہلے اس کے نفع نقصان کے تمام پہلوؤں کو دیکھ لینا چاہیے۔ تم فقیر حسین کو نہیں جانتے۔۔۔ وہ ایسا آدمی نہیں جسے لالچ سے خریدا یا خوف سے جھکایا جا سکے۔ میں کوئی غلط قدم اٹھا کے اپنا آٹھ کروڑ کا منصوبہ خراب نہیں کرنا چاہتا۔

عابد: اوہو ڈیڈ۔ ایک تو میں آپ کی ان احتیاطی تدابیر سے بہت تنگ ہوں۔

سین نمبر ۱۴

(احمد۔ فقیر حسین۔)

احمد: میری بات سمجھنے کی کوشش کرو فقیر حسین۔۔۔ تمھیں رقم کی ضرورت ہے۔۔۔ اختر کی تعلیم کے لیے سعیدہ کی شادی کے لیے۔

فقیر حسین: اللہ مالک ہے۔

احمد: آخر تمھیں اعتراض کیا ہے۔ میں تمھیں اس مکان سے بہتر مکان دے رہا ہوں۔ تیس چالیس ہزار اس کے علاوہ دے رہا ہوں۔ اب تم بلا وجہ ضد کرو تو اور بات ہے۔

فقیر حسین: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم مجھ پر یہ خصوصی عنایت کیوں کر رہے ہو۔

احمد: اس لیے کہ تم۔۔۔ تم میرے بھائی ہو۔

فقیر حسین: اگر یہ بات ہوتی تو یقین کرو میں تمھارے ایک دفعہ کہنے پر بغیر ایک پیسہ لیے مکان خالی کر دیتا چاہے مجھے فٹ پاتھ پر ہی کیوں نہ رہنا پڑتا۔ مگر اس طرح نہیں احمد علی۔۔۔ اس طرح نہیں۔

احمد: اچھا چلو مان لیا کہ اس میں میرا بھی فائدہ ہے۔۔۔ تو کیا تم میرے فائدے میں خوش نہیں ہو۔

فقیر حسین: ضرور ہوتا۔ اگر تم نے مجھے یہ بھائی چارے کا چکر نہ دیا ہوتا۔ زندگی میں ہمیشہ مجھے ایک چیز سے شدید نفرت رہی ہے اور وہ یہ کہ کوئی مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کرے، میرے اعتماد کو دھوکہ دے۔ تمھارا میرے گھر آنا اور مجھے یہ دعوت دینا صرف اس لیے تھا کہ تم رشتہ داری کی آڑ لے کر مجھ سے سودا کرنا چاہتے تھے۔ یقین کرو اگر تم نے براہِ راست مجھ سے یہ بات کہہ دی ہوتی تو شاید میں مان جاتا لیکن اب نہیں۔

احمد: اوہو۔ اچھا بابا مجھ سے غلطی ہو گئی۔ معاف کرو۔۔۔ اب غصہ تھوک دو۔

فقیر حسین: (بے قراری سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے، تم کتنی آسانی سے دو منٹ میں تین مختلف باتیں کر لیتے ہو۔۔۔ مگر مجھے یہ سب کچھ نہیں آتا۔۔۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میں آج بھی ایک غریب اور تنگ دست انسان ہوں اور تم اتنے بڑے کاروبار کے مالک ہو۔ لیکن احمد علی ۔۔۔ مجھے اپنے فیصلے پہ ندامت نہیں ہے۔۔۔ میں جب کبھی اپنی اس کانٹوں بھری زندگی کو دیکھتا ہوں تو مجھے پھولوں کے نہ ہونے کا احساس

National Book Foundation

تو ضرور ہوتا ہے لیکن پچھتاوا نہیں ہوتا۔۔۔ بوڑھے تو ہم دونوں ہو چلے ہیں احمد علی۔۔۔ زندگی تو ہم دونوں کی گزر گئی ہے مگر میں سمجھتا ہوں میں تمھاری نسبت بہت بہتر طور سے جیا ہوں۔

احمد: تمھاری اسی منطق نے تمھیں تباہ کیا ہے۔۔۔ کیا بہتری ہے تمھاری زندگی میں؟ کس بات کی سزا دے رہے ہو تم اپنی اولاد کو؟ اس بھوکے ننگے محلے میں کس کو پروا ہے تمھاری۔۔۔ اپنے خیالوں کی دلدل سے نکلو فقیر حسین۔ زندگی کو چھو کر دیکھو کہ وہ کیسی ہوتی ہے؟

فقیر حسین: تتلیاں دور سے ہی اچھی لگتی ہیں احمد علی۔۔۔ چھولو تو صرف ان کے رنگ ہاتھوں میں رہ جاتے ہیں۔۔۔ تتلیاں یا مر جاتی ہیں یا اڑ جاتی ہیں۔

احمد: تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم مکان میرے ہاتھ نہیں بیچو گے۔

فقیر حسین: نہیں۔

احمد: یعنی تم میری ایک غلطی کی سزا اپنی اولاد کو دو گے۔

فقیر حسین: اپنی اولاد کے بارے میں مجھے تم سے زیادہ فکر ہے۔

احمد: اچھا بابا۔۔۔ کہہ دیا نا اب جانے دو۔۔۔ معاف کر دو۔

عابد: (قدم آگے بڑھاتے ہوئے) غصے سے، آپ کیوں اتنی منتیں کر رہے ہیں ڈیڈ۔۔۔ TO HELL WITH IT نہیں بیچتے تو نہ بیچیں۔۔۔ ہم میں زور ہو گا تو ہم خود لے لیں گے۔

فقیر حسین: (طنزیہ انداز میں) ماشاءاللہ۔

احمد: تم بیچ میں نہیں بولو عابد۔ جاؤ اندر جاؤ۔

عابد: میں بہت دیر سے آپ کی باتیں سن رہا ہوں ڈیڈ۔۔۔ یہ آپ کے کزن صاحب کچھ زیادہ ہی ہیرو بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔۔۔ ایسے آدمی پیار و محبت کی زبان نہیں سمجھتے۔

احمد: عابد!!!

عابد: پلیز ڈیڈ۔۔۔ آپ یہ کام مجھ پر چھوڑ دیجیے۔۔۔ میں دیکھتا ہوں کیسے نہیں چھوڑتے مکان یہ لوگ۔۔۔ اگر یہ ہاتھ جوڑ کر معافی نہ مانگیں تو میرا نام عابد نہیں۔

فقیر حسین: شکریہ! احمد علی۔۔۔ میرے خیال میں اب اس کے بعد ہمارے یہاں رکنے کی مزید گنجائش نہیں رہی۔ تمھاری اس پہلی اور آخری دعوت کا بہت بہت شکریہ، میرے بچوں کو بُلوا دو۔

عابد: بچوں سے بہت پیار لگتا ہے۔

فقیر حسین: ہاں! لیکن انسان کے بچوں سے۔

عابد: اوہ۔ شٹ اپ۔۔۔ مجھے ابا جان کا لحاظ ہے ورنہ۔

فقیر حسین: فکر نہ کرو۔۔۔ اگر یہی حالات رہے تو ابا جان کا لحاظ بھی نہیں رہے گا تمھیں۔ (دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے) سعیدہ۔ اختر۔ بھئی کہاں ہو تم۔۔۔

National Book Foundation

سین نمبر ۱۵

(فقیر حسین کا گھر)

سعیدہ: آخر آپ بتاتے کیوں نہیں۔ کیا بات ہوئی تھی وہاں۔

فقیر حسین: کہنا کچھ نہیں۔ بڑوں کی باتوں میں بچے دخل نہیں دیا کرتے۔

اختر: (وقفہ) یہ عابد آپ کی طرف ایسے گھور کر کیوں دیکھ رہا تھا۔

فقیر حسین: (نظریں چراتے ہوئے) کب۔۔۔ میں نے تو نہیں دیکھا۔

اختر: ضرور ان لوگوں نے آپ سے کوئی زیادتی کی ہے۔

فقیر حسین: (غصہ دباتے ہوئے) یہ ایک دم تمھارے دل میں میری محبت کیسے جاگ پڑی ہے۔۔۔ تم جاؤ اپنی موج کرو۔ آوارہ گردوں میں اٹھو بیٹھو، میرے عمر بھر کے کمائے ہوئے نام پر مٹی ڈالو۔

اختر جھنجھلا کر کمرے سے نکل جاتا ہے۔ فقیر حسین کمبل کھینچ کر اوپر لیتا ہے۔ سعیدہ چند لمحے کچھ سوچتی رہتی ہے۔ پھر کمرے سے نکل جاتی ہے۔

(دہلیز)

امجد اسلام امجد (۱۹۴۴ء۔۲۰۲۳ء)

ایک پاکستانی اردو شاعر، ڈراما نگار اور گیت نگار تھے۔ ۵۰ سال پر محیط کیریئر میں انہوں نے چالیس سے زائد کتابیں تصنیف کی۔ انہیں اپنے ادبی کام اور ٹی وی کے لیے اسکرین پلے کے لیے بہت سے اعزازات ملے، جن میں تمغائے حسن کارکردگی اور ستارۂ امتیاز شامل ہیں۔

امجد اسلام کی پیدائش ۴ اگست ۱۹۴۴ کو لاہور میں ہوئی۔ انھوں نے اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔اے کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے اردو میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے اپنے کیریئر کے آغاز ایم اے او کالج لاہور کے شعبہ اردو میں استاد کی حیثیت سے کیا۔

۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۹ء کے درمیان امجد اسلام امجد پاکستان ٹیلی ویژن نیٹ ورک کے ڈائریکٹر رہے۔ ۱۹۸۹ء میں انھیں اردو سائنس بورڈ کا ڈائریکٹر بنا دیا گیا۔ انھوں نے چلڈرن لائبریری پروجیکٹ میں ڈائریکٹر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دی تھیں۔ امجد اسلام امجد اپنی علمی ادبی خدمات کے صلے میں تمغائے حسن کارکردگی اور ستارۂ امتیاز سے نوازے گئے ہیں۔ ان کی شخصیت پر تقریباً دس سے زائد تنقیدی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔

امجد اسلام امجد کی وفات ۱۰ فروری ۲۰۲۳ء کو لاہور میں دل کا دورہ پڑنے ہوئی۔ ان کے شعری مجموعوں میں شامل ہیں: ''بارش کی آواز''، ''شام سرائے''، ''اتنے خواب کہاں رکھوں''، ''نزدیک''، ''یہیں کہیں''، ''ساتواں در''، ''فشار''، ''سحر آثار''، ''ساحلوں کی ہوا''، ''محبت ایسا دریا ہے''، ''برزخ''، ''اس پار''

National Book Foundation

مشق

۱۔ امجد اسلام امجدؔ کے لکھے ہوئے اس ڈرامے کی ٹی وی ریکارڈنگ انٹرنیٹ سے نکال کر یوٹیوب چینل پر دیکھیے (خاص طور پر شامل نصاب حصہ) ۔اس کے بعد اس ڈرامے کے موضوعات اور اسالیب (اخلاقی، معاشرتی، معاشی نکات) پر تبصرہ کرتے ہوئے سین نمبر ۴ پر اپنی رائے کا اظہار کریں۔

۲۔ امتیاز علی تاج کے معروف ڈرامے 'انار کلی' کے مکالمے سن کر خاص طور پر شہزادہ سلیم کے، شدت تاثر کے حامل مکالموں پر اپنی رائے کا اظہار کریں۔

۳۔ درج ذیل عبارت میں اردو افسانے کے آغاز و فروغ میں اہم کردار ادا کرنے والے مختصر عناصر بیان کیے گئے ہیں۔ ان اشارات کے مطابق اس عبارت کی تفہیم / تنقید و تجزیہ / تبصرہ کریں۔

''بیسویں صدی کے آغاز میں افسانے کی ترویج و اشاعت میں ہندوستانی رسائل اور اخبارات نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔ رسالہ ''معارف''، ''مخزن'' اور ''اُردوئے معلیٰ'' وغیرہ نے افسانوی ادیبوں کو سہارا دیا اور اس نووارد صنفِ سخن کو توانا بنانے میں بہت مدد کی۔ افسانے کو اُردو میں متعارف کروانے والوں میں اوّلیت کی بحث سے قطع نظر سجاد حیدر یلدرم اور پریم چند کے نام نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ سجاد حیدر یلدرم کے توسط سے اُردو افسانوں میں رُومانویت کی لہر در آئی اور پریم چند نے اصلاحی و حقیقی رنگ کو اپنے افسانوں میں متعارف کروایا۔''

۴۔ درج ذیل پیراگراف کا مطالعہ کیجیے اور ڈرامے کے اجزا اور ادبی محاسن کے حوالے سے دیے گئے سوالات کے جوابات دیں۔

''ڈراما ایک ایسی صنفِ ادب ہے جس کے لیے عمل ناگزیر ہے لہٰذا، اس کی پیشکش کے لیے کرداروں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ ارسطو کے بیان کے مطابق ڈرامے کے اجزائے ترکیبی میں قصہ اور پلاٹ، کردار، الفاظ، خیال آرائی اور موسیقی شامل ہیں۔ ارسطو ان اجزا میں پلاٹ کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے جبکہ بعد ازاں کرداروں کو قابلِ ترجیح سمجھا جانے لگا۔ ڈرامے کا پلاٹ سادہ اور مرکب دونوں اقسام کا ہو سکتا ہے۔ ایسا پلاٹ جو چند واقعات کا مجموعہ ہو اور ان کی آپس میں وابستگی محض زمانی ہو، پلاٹ کہلاتا ہے۔ وحدتِ عمل اور ایجاز و اختصار اس کا بنیادی تقاضا ہے۔ ''کشمکش'' اور ''تصادم'' بھی ڈرامائی عمل کو تیز کرتے ہیں۔ پلاٹ کی ترتیب کچھ یوں ہے۔ آغاز، ارتقا، نُقطۂ عروج، تنزّل اور اختصار۔ موجودہ زمانے میں فلیش بیک کی تکنیک بھی استعمال کی جاتی ہے''۔

الف۔ ڈرامے کے لیے کیا چیز ناگزیر ہے؟

ب۔ ڈرامے کے اجزائے ترکیبی بیان کیجیے۔

ج۔ ارسطو کے نزدیک ڈرامے میں پلاٹ یا کردار میں سے کس کی اہمیت زیادہ ہے؟

د۔ ڈرامے کا بنیادی تقاضا کیا ہے؟

ر۔ پلاٹ کی ترتیب بیان کیجیے۔

National Book Foundation

۵۔ مصنف اور قاری کے نقطۂ نظر کو سمجھتے ہوئے ''دہلیز'' کا مرکزی خیال تحریر کریں۔

❖ متشابہات (متشابہ الفاظ)

اردو زبان میں بے شمار الفاظ ایسے ہیں جن کا املا ایک ہے لیکن معانی میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مزید یہ کہ بعض الفاظ ایسے ہیں جن کا املا ایک ہے مگر اعراب اور معانی مختلف ہیں۔ ان کے علاوہ ہم صوت یعنی ہم آواز الفاظ بھی ہوتے ہیں۔ الغرض ایسے الفاظ جن کی ظاہری شکل ملتی ہو لیکن وہ املا، معانی اور اعراب میں مختلف ہوں، متشابہ الفاظ کہلاتے ہیں۔

۶۔ مندرجہ ذیل متشابہ الفاظ کو پہچان کر اپنے جملوں میں استعمال کریں۔

اثر، عصر امارت، عمارت پَر، پر قلب، کلب

۷۔ درج ذیل سابقوں اور لاحقوں سے لفظ بنا کر انھیں اپنے جملوں میں استعمال کریں۔

بے، دار، با، مند، ان، نیم، خانہ، گاہ

سرگرمی

استادِ محترم/استانی صاحبہ کی رہ نمائی میں کالج لائبریری میں جائیں۔ اس میں اردو افسانوں اور ڈراموں کے مجموعوں کی درجہ بندی اور فہرست کی ترتیب کو سمجھتے ہوئے اس کا استعمال کریں اور اپنی پسند کی کوئی ایک کتاب تلاش کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- ڈرامے کے اجزائے ترکیبی بیان کرتے ہوئے اسالیبِ نثر میں فرق و امتیاز کو واضح کریں۔
- طلبہ و طالبات کو کتب خانے کا دورہ کروائیں اور فہرست سازی کے اصولوں سے آگاہ کروائیں۔ انھیں کیٹلاگ سے کتاب تلاش کرنے کی مشق کروائیں۔
- طلبہ کو اُردو ڈرامے کے آغاز و ارتقاء، اجزا اور موضوعات و تجربات کے حوالے سے ایک جامع لیکچر دیں تاکہ طلبہ ڈرامے کے اجزا اور ادبی محاسن کی خود بھی شناخت کر سکیں۔

National Book Foundation

خدیجہ مستور (۱۹۲۷ء۔ ۱۹۸۲ء)

۵ اور پاکستان بن گیا

یہ سبق پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

- متن پڑھ کر خیالات، آرا اور رویوں کا آپس میں تعلق سمجھتے ہوئے اس پر تبصرہ و تجزیہ کر سکیں۔
- تحریر کی سرگرمیوں میں الفاظ کے درست املا کا خیال رکھتے ہوئے تحریری کام پر نظر ثانی اور ادارت (پروف ریڈنگ) کر سکیں۔
- مختلف تحاریر پڑھ کر ان میں عالمی مسائل کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کے حل کی تجاویز پیش کر سکیں۔
- مختلف اصناف ادب (منظوم و منثور) کی ڈرامائی تشکیل کر سکیں۔
- درخواست / رسمی و غیر رسمی خطوط، دعوت نامے، تہنیت نامے کی تحریری یا برقی (ای میل) کی تشکیل کر سکیں۔
- حروف فجائیہ (تحریر و تقریر میں تاثر دینے والے الفاظ (تحسین، نفرین، تاسف، انبساط، استعجاب، تہنیت، تمنا اور قسم) کی نشان دہی اور استعمال کر سکیں۔
- علاماتِ اوقاف (استعجابیہ، استفہامیہ، تفصیلیہ، رابطہ، ترچھا خط، علامت شعر، علامت تخلص، علامت مصرعہ) کو پہچان کر درست استعمال کر سکیں۔

ناول کا پس منظر:

خدیجہ مستور کا آنگن اردو کا ایک سیاسی ناول ہے اس کی کہانی تحریک پاکستان سے قیام پاکستان تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں براہ راست سیاست کو پیش نہیں کیا گیا البتہ یوپی کے ایک مسلمان خاندان پر اس عہد کی سیاست کے اثرات بیان کیے گئے ہیں اور یہ سب کچھ گھر کے آنگن میں پیش آتا ہے۔ آنگن صرف ایک گھر کا آنگن نہیں بلکہ پورے معاشرے کا آنگن ہے۔ ناول میں مسلمان اشرافیہ کے خاندانوں کی گھریلو زندگی کی جھلک، نسوانی طبقے کی جذباتی زندگی اور دوسرے کرداروں کی نفسیات کو مہارت سے پیش کیا گیا ہے۔

کردار

عالیہ: ناول کا مرکزی کردار ہے اور ساری کہانی عالیہ کے گرد گھومتی ہے۔

بڑی چچی: ہمدرد اور مہربان خاتون بڑے چچا کی بیوی

بڑے چچا: عالیہ کے چچا ایک مہربان شخص اور سچے کانگریسی کارکن

اماں: عالیہ کی مغرور ماں

جمیل: بڑے چچا کا بیٹا۔ ایک مسلم لیگی کارکن

کریمن بوا: پرانی ملازمہ

اسرار میاں: بڑے چچا کے سوتیلے بھائی ایک قابل رحم کردار

پاکستان بن گیا۔ لیگی راہ نما کراچی دارالحکومت جا چکے تھے۔ مشرقی پنجاب میں خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ بڑے چچا اس صدمے سے جیسے نڈھال ہو گئے تھے۔ بیٹھک میں بیماروں کی طرح وہ ہر ایک سے پوچھتے رہتے ''یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیا ہو گیا ہے''؟

National Book Foundation

جب وہ یہ سب کچھ عالیہ سے پوچھتے تو وہ ان کا سر سہلانے لگتی۔ ''بڑے چچا آپ آرام کیجیے، آپ تھک گئے ہیں بڑے چچا۔'' اور بڑے چچا اس طرح آنکھیں بند کر لیتے جیسے خون کی ندی ان کی آنکھوں کے سامنے بہ رہی ہو۔

کریمن بوا فساد کی خبریں سن سن کر ٹھنڈی آہیں بھرا کرتیں۔ اپنے شہر میں فساد تو نہ ہوا تھا مگر سب کی جانوں پر بنی رہتی پتا نہیں کب کیا ہو جائے؟

''کہاں ہو گا میرا شکیل''، بمبئی میں فساد کی خبر سن کر بڑی چچی بلکنے لگیں۔

''تمھارا پاکستان بن گیا جمیل، تمھارے ابا کا ملک بھی آزاد ہو گیا، پر میرے شکیل کو اب کون لائے گا؟''

''سب ٹھیک ہو جائے گا اماں، وہ خیریت سے ہو گا۔ یہ فساد و سادتو چار دن میں ختم ہو جائیں گے''۔ جمیل بھیا ان کو سمجھاتے مگر ان کا چہرہ فق رہتا۔

شام سب لوگ خاموش بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ ماموں کا خط آ گیا۔ انھوں نے اماں کو لکھا تھا کہ انھوں نے اپنی خدمات پاکستان کے لیے وقف کر دی ہیں اور وہ جلد ہی جا رہے ہیں۔ ''اگر آپ لوگوں کو چلنا ہو تو فوراً جواب دیجیے اور تیار رہیے۔''

بس ابھی تار دے دو جمیل میاں، ہماری تیاری میں کیا لگے گا، ہم تو بس تیار بیٹھے ہیں۔ ''اپنا بھائی ہے بھلا ہمیں اکیلا چھوڑ کر جا سکتا ہے''، مارے خوشی کے اماں کا منہ سرخ ہو رہا تھا۔

جمیل بھیا نے اس طرح گھبرا کر سب کی طرف دیکھا جیسے فسادی ان کے دروازے پر پہنچ گئے ہوں ''مگر آپ کیوں جائیں گی چھوٹی چچی'' ''آپ یہاں محفوظ ہیں۔ میں آپ کے لیے اپنی جان دے دوں گا۔'' انھوں نے آج بڑی مدت بعد عالیہ کی طرف دیکھا، کیسی سفارشی نظریں تھیں مگر عالیہ نے اپنی آنکھیں جھکا لیں۔

''میں نہ جاؤں تو کیا ہندوؤں کے نگر میں رہوں، پاکستان میں اپنوں کی تو حکومت ہو گی، پھر میں اپنے بھائی کو چھوڑ کر ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتی، واہ۔'' مارے خوشی کے اماں سے نچلا نہ بیٹھا جا رہا تھا۔

''عالیہ جانے پر راضی نہیں ہو گی چھوٹی چچی، وہ نہیں جائے گی، وہ جا ہی نہیں سکتی۔'' جمیل بھیا نے جیسے نیم دیوانگی کے عالم میں کہا۔

''تم اچھے حق دار آ گئے، کون نہیں جائے گا۔'' اماں ایک دم بپھر اٹھیں۔ ''تم ہوتے کون ہو روکنے والے؟''

''ضرور جایئے چھوٹی چچی''۔ جمیل بھیا نے سر جھکا دیا اور عالیہ کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ نہیں جا سکتی۔ صدیاں گزر جائیں گی مگر وہ یہاں سے ہل بھی نہ سکے گی۔

''میں ابھی تار کیے دیتا ہوں کہ سب تیار ہیں''۔ جمیل بھیا اٹھ کر باہر چلے گئے۔

عالیہ کا جی چاہا کہ وہ چیخ چیخ کر اعلان کرے کہ وہ نہیں جائے گی، وہ نہیں جا سکتی، اسے کوئی نہیں لے جا سکتا، مگر اس کے گلے میں تو سیکڑوں کانٹے چبھ رہے تھے، وہ ایک لفظ بھی نہ بول سکی، اس نے ہر طرف دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں مگر وہ کیوں رکے، کس لیے، کس کے لیے، اس نے سوچا اور پھر جیسے بڑے سکون سے چھالیہ کاٹنے لگی۔ عالیہ بیگم اگر تم رہ گئیں تو ہمیشہ کے لیے دلدل میں پھنس جاؤ گی۔

''کریمن بوا!!! اگر سب لوگ چائے پی چکے ہوں تو۔۔۔'' اسرار میاں نے بیٹھک سے آواز لگائی اور کریمن بوا، آج تو ڈائنوں کی طرح چیخنے لگیں۔۔۔ ''ارے کوئی تو اس اسرار میاں کو بھی پاکستان بھیج دو۔ سب چلے گئے، سب چلے جائیں گے مگر یہ کہیں نہیں جاتا''۔

بیٹھک میں اسرار میاں کے کھانسنے کی آواز آئی اور پھر خاموشی چھا گئی۔

''کیا تم سچ مچ چلی جاؤ گی چھوٹی دلہن؟'' بڑی دیر تک چپ رہنے کے بعد بڑی چچی نے پوچھا۔

''ظاہر ہے کہ چلی جاؤں گی''۔ اماں نے رکھائی سے جواب دیا۔

''یہ گھر تمھارا ہے چھوٹی دلہن، مجھے اکیلے نہ چھوڑو''۔ بڑی چچی نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں بند کر لیں، شاید وہ تنہائی کے بھوت سے ڈر رہی تھیں۔

National Book Foundation

عالیہ جیسے پناہ ڈھونڈنے کے لیے اوپر بھاگ گئی۔ دھوپ پیلی پڑ کر سامنے کے مکان کی اونچی دیوار پر چڑھ گئی تھی۔ ہائی اسکول کے احاطے میں بسیرا لینے والے پرند مسلسل شور مچائے جا رہے تھے۔

کھلی فضا میں آ کر اس نے اطمینان کی سانس لی اور مسافروں کی طرح ٹہل ٹہل کر سوچنے لگی کہ اب آگے کیا ہوگا، شاید اچھا ہی ہو، وہ یہاں سے جا کر ضرور خوش رہے گی۔

جب وہ نیچے اتری تو سب اپنے اپنے خیالوں میں مگن بیٹھے تھے، صرف کریمن بوا جانے کس بات پر بڑبڑا رہی تھیں اور پھرتی سے روٹیاں پکاتی جا رہی تھیں۔

جمیل بھیا کہاں گئے، اب تک کیوں نہیں آئے، عالیہ نے سوئی کرسی کی طرف دیکھا۔ جانے یہ سر پھرا آدمی اسے یاد کرے گا یا بھول جائے گا۔ اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

لالٹین کی بتی خراب تھی اس لیے اس میں سے دو لویں اٹھ رہی تھیں اور ایک طرف سے چمنی سیاہ ہو گئی تھی۔ مدھم روشنی میں اماں، بڑی چچی اور کریمن بوا کے چہرے بگڑے بگڑے لگ رہے تھے۔

جمیل بھیا گھر میں داخل ہوئے اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ ''میں تار کر آیا ہوں چھوٹی چچی''۔ انھوں نے دھیرے سے کہا۔

''تم اتنی دیر تک باہر نہ رہا کرو شام سے گھر آ جایا کرو، جانے کب یہاں بھی گڑبڑ ہو جائے''۔ بڑی چچی نے کہا۔

''رہنا تو پڑتا ہے، مسلمان ڈرے ہوئے ہیں، انھیں سمجھانا ہے کہ وہ یہاں ڈٹ کر رہیں اور یہاں کی فضا کو پرامن رکھیں، گھر میں بیٹھ کر تو کام نہ چلے گا۔''

''توبہ اب ملک آزاد ہو گیا تو یہ کام شروع ہو گئے، خیر مجھے کیا، تم نے تار پر پتا ٹھیک لکھا تھا نا؟ اماں نے پوچھا۔ ''آپ اطمینان رکھیں، پتا ٹھیک تھا۔''

''خیر سے ہم تو پاکستان جا رہے ہیں، مگر اب تم اپنے گھر کی فکر کرو جمیل میاں، کیا بری حالت ہو چکی ہے، اپنی ماں کی طرف بھی دیکھو''۔ اماں نے ہمدردی سے بڑی چچی کی طرف دیکھا۔

''کون جا رہا ہے پاکستان؟'' بڑے چچا نے صحن میں قدم رکھتے ہی بوکھلا کر پوچھا۔ انھوں نے اماں کی باتیں سن لی تھیں۔

''میں اور عالیہ جائیں گے، اور کسے جانا ہے''۔ اماں نے تڑاخ سے جواب دیا۔

''کوئی نہیں جا سکتا، میری اجازت کے بغیر کوئی قدم نہیں نکال سکتا، کس لیے جاؤ گے پاکستان؟ یہ ہمارا ملک ہے، ہم نے قربانیاں دی ہیں اور اب ہم اسے چھوڑ کر چلے جائیں؟ اب تو ہمارے عیش کرنے کا وقت آ رہا ہے''۔ بڑے چچا سخت جوش میں تھے۔

''ماشاءاللہ آپ بڑے حق دار بن گئے، نہ کھلانے کے نہ پلانے کے، کون سا دکھ تھا جو یہاں آ کر نہیں جھیلا، میرے شوہر کو بھی آپ ہی نے چھین لیا، آپ ہی نے انھیں مار ڈالا۔ میری لڑکی کو یتیم کر دیا اور اب حق جتا رہے ہیں۔'' مارے غصے کے اماں کی آواز کانپ رہی تھی۔

''کریمن بوا!! میرا کھانا بیٹھک میں بھجوا دو''۔ بڑے چچا سر جھکا کر بیٹھک میں چلے گئے۔

''کیا آپ چلنے سے پہلے بڑے چچا کو یہی بدلہ دینا چاہتی ہیں؟ بڑے چچا نے کسی کو تباہ نہیں کیا، بڑے چچا نے کسی کو دعوت نہیں دی تھی کہ آؤ اور میرا ساتھ دو۔ آپ آج اچھی طرح سن لیں کہ مجھے بڑے چچا سے اتنی ہی محبت ہے جتنی ابا سے تھی۔'' عالیہ نے کھانا چھوڑ دیا اور ہاتھ دھو کر بیٹھک میں چلی گئی، اماں کیا کہتی رہ گئیں اس نے ذرا بھی نہ سنا۔

''کیا تم سچ مچ جا رہی ہو۔ بیٹی؟''

''ہاں بڑے چچا، اماں جو تیار ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''بڑے چچا میں تو اماں کا واحد سہارا ہوں، میں انھیں کس طرح چھوڑ دوں، وہ ضرور جائیں گی مگر آپ کو نہیں معلوم کہ یہ گھر چھوڑ کر میں کس طرح تڑپوں گی، آپ۔۔۔ تو۔۔۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔

National Book Foundation

چھوٹی دلھن کو مجھ سے سخت نفرت ہے، ٹھیک ہے، میں نے تم لوگوں کے لیے کچھ بھی نہ کیا، مگر اب وقت آیا تھا کہ اس گھر میں پہلی سی شادمانی لوٹ آتی، مجھے بڑی اچھی ملازمت دی جارہی ہے، پھر دکانوں کو چلانے کے لیے دس پندرہ ہزار کی امداد بھی ملنے کی توقع ہے، میں چھوٹی دلھن کی سب شکایتیں رفع کردوں گا''۔۔۔انھوں نے عالیہ کو پیار سے تھپکا۔۔۔''کیا گھر میں تیل ختم ہو گیا ہے؟ لالٹین کی روشنی مدھم ہوتی جارہی ہے، اب ان شاءاللہ تھوڑے دنوں میں کنکشن بحال کرالوں گا اور اب تم ایم اے میں داخلہ کیوں نہ لے لو۔ میرا خیال ہے کہ تم کو اگلے سال ضرور داخل کرادوں۔''

عالیہ کا کلیجہ کٹ رہا تھا۔ آنسو پونچھ کر وہ خاموش بیٹھی رہی۔ جی ہی جی میں گھٹ رہی تھی مگر ایک لفظ بھی نہ بول سکی۔ خدا آپ کو سکھ دے بڑے چچا، خدا آپ کے سارے سہانے خواب پورے کرے۔۔۔وہ دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھی۔ وہ بڑے چچا سے کس طرح کہتی کہ وہ تو یہاں سے خود بھاگ جانا چاہتی ہے۔

اسرار میاں بیٹھک میں داخل ہونے کے لیے پٹ کھول رہے تھے۔ عالیہ اٹھ کر صحن میں آگئی۔

اماں اور بڑی چچی جانے کیا باتیں کررہی تھیں۔ جمیل بھیا اب تک کرسی پر بیٹھے انگلیاں مروڑ رہے تھے۔ وہ ایک لمحے تک آنگن میں کھڑی رہی اور پھر اوپر چلی گئی۔

شبنم سے بھیگی ہوئی رات بڑی روشن ہو رہی تھی۔ چاند جیسے وسط آسمان پر چمک رہا تھا اور روز کی طرح آج بھی قریب کی کسی چھت پر گراموفون ریکارڈ بج رہے تھے۔''تری گٹھڑی میں لاگا چور، مسافر جاگ ذرا''۔

وہ آہستہ آہستہ ٹہلنے لگی کیسی عجیب سی حالت ہو رہی تھی، جیسے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیت کسی نے چھین لی ہو۔''کیا یہ میں ہوں؟''اس نے اپنے آپ سے پوچھا اور پھر اپنی آواز سن کر حیران رہ گئی۔۔۔۔حد ہے دیوانگی کی، وہ کس سے پوچھ رہی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے وہ ایک بار مڑی تو جمیل بھیا بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑے تھے۔ وہ اور تیزی سے ٹہلنے لگی۔ اب یہ کیا کہنے آئے ہیں۔ انھوں نے اپنا وعدہ بھلا دیا۔

''کیا سچ مچ تم نے جانے کا فیصلہ کرلیا ہے ؟''انھوں نے دھیرے سے پوچھا۔''ہاں''! اس نے ٹہلتے ہوئے جواب دیا۔

''تم یہاں سے جاکر غلطی کروگی۔ تم نے ایک بار کہا تھا نا کہ دور رہ کر یادیں بہت اذیت ناک ہو جاتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم وہاں خوش نہ رہو گی''۔

''میں ہر جگہ خوش رہوں گی۔ مگر آپ نے تو وعدہ کیا تھا کہ آپ مجھ سے کبھی کچھ نہ کہیں گے۔''

''میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

''کچھ نہیں۔''

''تم میری مقروض ہو، یاد رکھنا کہ تم کو یہ قرض چکانا ہوگا''۔ وہ جانے کے لیے مڑے۔''تم خوش رہو گی نا؟''انھوں نے رک کر پوچھا۔

وہ چپ رہی۔ جمیل بھیا تھوڑی دیر کھڑے رہے اور پھر چلے گئے اور اس نے محسوس کیا کہ اس وقت وہ سب کچھ کھو بیٹھی ہے۔

بڑی دیر تک یوں ہی ٹہلنے کے بعد جب وہ تھک گئی تو چھمی کو خط لکھنے بیٹھ گئی۔ اسے یہاں سے جانے کی اطلاع دینی تھی۔

یہ رات پہاڑوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے، کوئی اسے گزار دے۔ کوئی صبح ہونے کا پیغام سنادے۔ اسے صبح ہونے کا انتظار ہے۔ صبح وہ چلی جائے گی اور اس کرب سے نجات حاصل کرلے گی۔

سب بول رہے ہیں، باتیں کررہے ہیں، پھر بھی کیسا سناٹا چھایا ہوا ہے۔ چاند کی کون سی تاریخ ہے۔ اب تک چاند نہیں نکلا۔ چھالیہ کاٹتے کاٹتے عالیہ نے سب کی طرف دیکھا جمیل بھیا سب کی باتوں سے بے نیاز اپنی کرسی پر بیٹھے ایک شعر گنگنائے جارہے تھے:

مجھے اور زندگی دے کہ ہے داستاں ادھوری
مری موت سے نہ ہوگی مرے غم کی ترجمانی

National Book Foundation

جمیل بھیا آج سارا دن باہر نہیں نکلے تھے۔ آج ان کو فرصت ہی فرصت تھی۔ جیسے سارے کام ختم ہو گئے اور اب انھیں کچھ بھی نہیں کرنا ہے۔

(آنگن)

خدیجہ مستور (۱۹۲۷ء۔۱۹۸۲ء)

خدیجہ مستور ۱۲ دسمبر ۱۹۲۷ء میں لکھنو کے ایک متوسط خاندان میں پیدا ہوئیں۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم لکھنو میں حاصل کی۔ ادبی ذوق انھیں ورثے میں ملا تھا۔ لہٰذا کم عمری میں ہی کہانیاں لکھنی شروع کر دیں۔ ابتدائی کہانیاں اس دور کے ادبی رسائل عالمگیر اور خیام وغیرہ میں شائع ہوئیں۔ ۱۹۵۰ء میں ان کی شادی مشہور ترقی پسند ادیب ظہیر بابر سے ہوئی اس طرح ترقی پسند تحریک اور ترقی پسند اہل قلم سے ان کا قریبی تعلق قائم ہوا۔

خدیجہ مستور نے اردو ادب کے دامن کو سنوارنے اور جذبوں کو نکھارنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کی تحریروں میں انسانی نفسیات اور ان کے مشاہدات کی وجہ سے بڑی گہرائی پائی جاتی ہے۔ انھوں نے معاشرے اور زندگی کے کئی اہم موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ ان کے کردار معاشرے کے حقیقی افراد اور چلتے پھرتے نظر آنے والے لوگ ہیں۔ ان کے بہت سے افسانوی مجموعے اور دو ناول ہیں۔ ناول آنگن پر انہیں پاکستان کا سب بڑا ادبی انعام آدم جی ایوارڈ بھی ملا۔ اس ناول میں خدیجہ مستور کا فن اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ آنگن اس دور کی سرگزشت ہے جب جنگ آزادی کی تحریک زوروں پر تھی ایسے میں دو قوتیں آزادی کی اس جنگ میں اپنے محاذ پر ڈٹی ہوئی تھیں۔ ایک کانگریس اور دوسری مسلم لیگ مسلمانوں میں کسی حد تک انتشار پیدا ہو گیا اور ایک ہی خاندان کے افراد میں سے کچھ کانگریس کے اور کچھ مسلم لیگ کے ہم نوا بن گئے۔ یہی سارا ماحول اور اثرات خدیجہ مستور نے اپنے ناول میں بڑی مہارت سے پیش کیے ہیں۔

۲۶ جولائی ۱۹۸۲ء کو خدیجہ مستور کا لاہور میں انتقال ہوا لیکن ان کا فن اور ان کی لافانی تخلیقات میں آج بھی زندہ ہے۔

تصانیف: ٹھکے ہارے، چند روز اور کھیل بوچھاڑ اور ٹھنڈا میٹھا پانی ان کے افسانوی مجموعے ہیں۔ جب کہ آنگن، اور زمین، ناول ہیں۔

مشق

ا۔ درج ذیل سوالات کے جواب دیں۔

الف۔ عالیہ کی اماں بڑے چچا سے کیوں متنفر تھیں؟

ب۔ تقسیم ہندوستان کے بعد کے حالات سے بڑے چچا کو کیا شکوہ تھا؟

ج۔ خدیجہ مستور نے آزادی کے اعلان کے بعد مسلمانوں کے حالات کس کامیابی کے ساتھ بیان کیے ہیں؟

د۔ مصنفہ کے مطابق بڑی چچی کا کردار کیوں قابل رحم تھا؟

و۔ بڑے چچا نے آزادی سے کیا کیا امیدیں باندھ رکھی تھیں؟

ہ۔ پاکستان بننے سے پہلے مسلمانوں کے دلوں میں کیا خدشات تھے؟

ز۔ اماں اور عالیہ کے پاکستان جانے پر باقی سب گھر والوں کا کیا ردِّ عمل تھا؟

ح۔ مشرقی پنجاب میں خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ جملے کی وضاحت کریں۔

ی۔ سبق میں چچا کا کردار ایک حساس شخص کی عکاسی کرتا ہے آپ کو مصنفہ کی تحریر کے کس حصے سے یہ واضح ہوا؟ حوالے کے ساتھ وضاحت کریں۔

National Book Foundation

۲۔آپ کیا سمجھتے ہیں کہ قیام پاکستان کے اعلان کے ساتھ ہی مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کی پاکستان کے لیے ہجرت، مختلف خاندانوں پر کس طرح اثر انداز ہوئی؟ ناول 'آنگن' کے شامل نصاب حصے کا تعلق اس دور کی معاشرتی اور ذاتی زندگی کے ساتھ تعلق قائم کریں تاکہ واضح ہو سکے کہ آزادی کتنی بڑی نعمت ہے۔

۳۔دوست کے نام، دسویں جماعت میں کامیابی کے ایک تہنیت نامے کی عبارت تحریر کریں اور برقی (ای میل) تشکیل دے کر دوست کو ای میل کریں۔

۴۔اپنی سال گرہ کی تقریب میں دوستوں کو دعوت دینے کے لیے ایک دعوت نامہ تیار کریں جس میں درج ذیل باتوں کا ذکر ہو:

وقت: ۵ بجے شام　　تاریخ: ۱۵ اکتوبر ۲۰۲۳ء

دن: اتوار　　مقام: مکان نمبر ۵، سٹریٹ نمبر ۱، اسلام آباد

۵۔ حروف کی اقسام:

i۔ حروفِ اضافت: ایسے حروف جو ایک اسم کا تعلق دوسرے اسم سے ظاہر کریں۔ مثلاً: کا، کی کے

ii۔ حروفِ استفہام: ایسے حروف جو سوال پوچھنے کے لیے استعمال ہوں۔ مثلاً: کیا، کون، کیوں

iii۔ حروف بیان: ایسے حروف جو کسی وضاحت کے لیے استعمال کیے جائیں۔ استاد نے کہا کہ سب کھڑے ہو جاؤ۔ اس مثال میں ''کہ'' حرفِ بیان ہے۔

iv۔ حروف جار: وہ حروف جو کسی اسم کو فعل سے ملاتے ہیں۔ مثلاً: کتاب پر پر رکھ دو۔ اس مثال میں ''پر'' حرف جار ہے۔ اسی طرح کو ''سے'' تک نے ساتھ وغیرہ حروفِ جار ہیں۔

iv۔ حروفِ شرط: وہ حروف جو کسی شرط کے لیے استعمال ہوں۔ مثلاً: اگر محنت کرو گے تو کامیابی ملے گی۔

اگر، اگرچہ، جب، جب تک، تاوقتیکہ، جوں ہی، حروف شرط ہیں۔

v۔ حروفِ ندا: کسی کو پکارنے یا آواز دینے کے لیے استعمال ہونے والے حروف کو حروفِ ندا کہتے ہیں۔

مثلاً: یااللہ! اے، اے، اجی، او، ابے وغیرہ بھی حروفِ ندا ہیں۔

vi۔ حروفِ تاسف: یہ حروف غم یا افسوس کے اظہار کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، افسوس، حیف، وائے، ہائے، اُف، ہے ہے حروف، تاسف ہیں۔

vii۔ حروف تشبیہ: یہ حروف ایک شے کو دوسری شے کی طرح بتانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

مانند، مثل، طرح، سا، جیسا، بعینہ، حرف تشبیہ ہیں۔

vii۔ حروفِ تحسین یا انبساط: کسی کی تعریف یا خوشی کے اظہار کے لیے بولے جانے والے حروف کو حروفِ تحسین یا حروفِ انبساط کہتے ہیں۔ مثلاً:

سبحان اللہ، شاباش، بہت خوب، واہ واہ، مرحبا، وغیرہ

viii حروفِ نفرین: نفرت یا ملامت کے اظہار کے لیے استعمال ہونے والے حروف مثلاً: تُف، لعنت، پھٹکار، ہزار لعنت، اخ تھو وغیرہ

ix۔ حروفِ تردید: وہ حروف جو دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے موقع پر استعمال کیے جائیں۔

امیر ہو یا غریب، اچھا ہو کہ بُرا۔ خواہ سو جاؤ، خواہ کھیل لو، چاہے بیٹھ جاؤ، چاہے کھڑے رہو۔

ہو یا، ہو کہ، خواہ، چاہے حروفِ تردید ہیں۔

National Book Foundation

vi۔ حروفِ اضراب: ایک بات کو ترقی دے کر اعلیٰ کو ادنیٰ یا ادنیٰ کو اعلیٰ بنا دینے کے موقع پر استعمال ہونے والے حروف مثلاً: وہ انسان نہیں بلکہ حیوان ہے بلکہ حرفِ اضراب ہے۔

vii۔ حروفِ تنبیہ: وہ حروف جو خبردار کرنے اور ڈرانے کے لیے استعمال ہوں۔ مثلاً: خبردار، زنہار، دیکھنا، سنو وغیرہ

viii۔ حروف استعجاب: تعجب اور حیرانی کے موقع پر استعمال ہونے والے حروف۔ اللہ اللہ۔ اللہ اکبر۔ حاشا کلا۔ اوہو وغیرہ

ix حروفِ قسم: وہ حروف جو قسم کھانے کے لیے استعمال ہوں جیسے: بہ خدا، واللہ، وغیرہ

x۔ حروفِ عطف: دو اسموں یا دو جملوں کو ملانے والے حروف۔ مثلاً: اور، و، نیز وغیرہ

xi۔ حروفِ علت: کسی وجہ یا سبب کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہونے والے حروف، کیوں کہ، چوں کہ، تاکہ، لہٰذا، اس لیے

xii۔ حروفِ تہنیت: کسی خوشی یا کامیابی کے موقع پر استعمال ہونے والے حروف۔ مثلاً: مبارک باد، شاباش، بہت خوب

xiii۔ حروفِ تمنا: کسی تمنا، آرزو اور خواہش کے موقع پر استعمال ہونے والے حروف۔ مثلاً: کاش کہ، کاش، اے کاش

۶۔ درج ذیل عبارت کو درست املا کا خیال رکھتے ہوئے نظرِ ثانی (پروف ریڈنگ) کریں اور غلط الفاظ کا املا درست کریں۔

شبنم سے بھیگی ہوئی راہ بڑی روشن ہو رہی تھی۔ چاند جیسے وسط آسمان پر چمک رہا تھا اور روز کی طرح آج بھی قریب کی کسی چھت پر گراموفون ریکارڈ بج رہے تھے۔ ”تری گٹھڑی میں لاگا چور، مسافر جاگ ذرا“۔ وہ آہستہ آہستہ ٹہلنے لگی۔ کیسی اجیب سی ہالت ہو رہی تھی، جیسے سوچنے سمجھنے کی ساری سلاحیت کسی نے چھین لی ہو۔ ”کیا یہ میں ہوں؟“ اس نے اپنے آپ سے پوچھا اور پھر اپنی آواز سن کر ہیران رہ گئی۔۔۔۔

۷۔ علاماتِ اوقاف (استعجابیہ، استفہامیہ، تفصیلیہ، رابطہ، ترچھا خط، علامت شعر، علامت تخلص، علامت مصرع)۔

i۔ رابطہ: (:)

جملے یا عبارت میں وقفے سے زیادہ ٹھہراؤ کے لیے یہ علامت استعمال ہوتی ہے: مثلاً:

میری بات یاد رکھنا: محنت ہی کامیابی کی کنجی ہے

کیا خوب سودا نقد ہے: اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

Ii۔ تفصیلیہ (-:)

جملے یا عبارت میں کسی بات کی تفصیل بتانے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً

ورزش کے فائدے درج ذیل ہیں:-

قائدِ اعظم کا فرمان ہے:-

iii۔ سوالیہ یا استفہامیہ (؟)

جب کوئی بات پوچھنی یا کچھ دریافت کرنا مقصود ہو تو یہ علامت استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً:

آپ کا نام کیا ہے؟ قائدِ اعظم کس شہر میں پیدا ہوئے؟

National Book Foundation

iv۔استعجابیہ (!)

حیرت یا حیرانی کے اظہار کے لیے یہ علامت استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً:

ارے! اوہ!

v۔خطِ فاصل، ترچھا خط (/)

یہ علامت دفتری مراسلات کا حوالہ دینے کے لیے مختلف قسم کے بیانات، مسودات کے اندراجات میں متبادل اسما یا افعال کے درمیان لگائی جاتی ہے، مثلاً:

مسمی/مسماۃ، بن/بنت، اقرار کرتا ہوں/کرتی ہوں وغیرہ وغیرہ

vi۔علامتِ مصرع، علامتِ شعر اور علامت تخلص:

شاعری لکھتے ہوئے جہاں کہیں ایک مصرع استعمال ہو وہاں علامت مصرع (ع)، جہاں پر شعر لکھا جائے وہاں علامت شعر (؎)اور جہاں شاعر اپنا شاعرانہ نام استعمال کرے اس کے اوپر علامت تخلص (~)استعمال ہوتی ہے۔

۸۔علاماتِ او قاف (استعجابیہ، استفہامیہ، تفصیلیہ، رابطہ، ترچھا خط، علامت شعر، علامت تخلص، علامت مصرع) کے استعمال کی ایک ایک مثال لکھیں۔

سرگرمیاں

۱۔ ''اور پاکستان بن گیا'' کی ڈرامائی تشکیل کریں۔

۲۔ تحریک قیام پاکستان کے پس منظر اور پیش منظر کو سامنے رکھتے ہوئے مسئلہ فلسطین، مسئلہ کشمیر اور آزادی کی جدوجہد کے چیدہ چیدہ مسائل کی نشان دہی کریں اور ان کے حل کی تجاویز اپنے دیگر طالب علم ساتھیوں کے سامنے پیش کریں اور ان کی رائے بھی لیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو مضمون نویسی کے مختلف انداز تحریر (بیانیہ، مدلل، بحثی، تفصیلی و تحقیقی اور تنقیدی) کے تصور کی وضاحت کریں۔
- طلبہ کو درخواست، رسمی و غیر رسمی خطوط، دعوت نامے، تہنیت نامے کی تحریری یا برقی (ای میل) کی تشکیل کرنے کی مشق کروائیں۔

National Book Foundation

National Book Foundation

Approved by Government of Pakistan
Ministry of Federal Education & Professional Training
National Curriculum Council Secretariat
vide letter No. Dated:

قومی ترانہ

پاک سَر زمین شاد باد! کشورِ حسین شاد باد!
تو نِشانِ عزمِ عالی شان ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد!

پاک سر زمین کا نِظام قُوّتِ اُخوّتِ عوام
قوم ، مُلک ، سلطنت پائندہ تابندہ باد!
شاد باد منزلِ مُراد!

پرچَمِ سِتارہ و ہِلال رہبرِ ترقی و کمال
ترجُمانِ ماضی، شانِ حال جانِ اِستقبال
سایۂ خُدائے ذُوالجلال!

National Book Foundation

BOOKS GIVE US WINGS
NATIONAL BOOK FOUNDATION
نیشنل بک فاؤنڈیشن
بطور
وفاقی ٹیکسٹ بک بورڈ، اسلام آباد
ISO 9001